عالمانہ، عارفانہ، عاشقانہ، تحریر

مرشدِ کامل

لجپال لجپال، پیر سیال پیر سیال

تحریر و ترتیب

حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی

بزمِ عشاق جامع مسجد عمر رضی اللہ عنہ

نیو پٹھان والا، جھنگ روڈ، فیصل آباد موبائل نمبر: 0300 666 17 55

نحمده ونصلى ونسلم على رسوله الكريم

اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

محبت سے درود وسلام

الصلوۃ والسلام علیك یارسول الله

وعلیٰ الك واصحابك یا حبیب الله

محترم قارئین کرام! زندگی کا مقصد معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی ہے۔ جملہ عبادات بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے فرض کی گئی ہیں۔ مرشد کے معنی راہبر و ہدایت کی راہ پر چلانے والا صراط الحق پر گامزن کرنے والا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید احادیث محبوب کریم ﷺ اور فقہ سے حق و باطل کی راہ واضح ہو چکی ہے۔ دینی معلومات بھی حاصل ہو چکی ہیں اور عبادات بھی کر رہے ہیں کیا اب بھی ہمیں مرشد کی ضرورت ہوگی۔ جی ہاں ضرورت ہوگی جس طرح ہم اپنے علم میں یقین سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں اور صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن باوجود ایمان اور علم کے ظاہری عبادت میں امیر یا امام کی ضرورت محسوس کرتے ہیں' اسی طرح باطنی حقائق و رموز کی پانے اور معرفت و رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلص بندے کامل شخصیت کی پیروی اتباع ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کریم نے فرمایا ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ'' (التوبہ)۔

☆ ''اور روکے رکھیئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اور اس کی رضا چاہتے ہیں' کیا آپ دنیوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور پیروی نہ کرنا اس (بدنصیب) کی جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنے خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گذر گیا ہے'' (سورۃ الکہف)۔

☆ ''اور پیروی کر اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا'' (سورۃ لقمان)۔

☆ ''پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمان ہے جس کے بارے میں کسی واقف حال سے پوچھ (القرآن)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علوم اسرار الٰہیہ کے بارے میں یوں عرض کی:۔

•• ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم'' (سورۃ الکہف)۔

•• ''اور جو گمراہ ہو گا پس اس کے لئے تو کوئی راہبر دوست نہیں پائے گا''۔

ضرورت مرشد کے حوالہ سے فرمودات محبوب کریم ﷺ:۔

☆ پہلے راہبر کی رفاقت حاصل کرو پھر راہ لو۔
☆ جس شخص کا مرشد نہ ہو اسے شیطان پکڑ لیتا ہے۔
☆ جس شخص کا مرشد نہیں اس کا دین نہیں۔
☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا ہر شخص اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی قائم کر رہا ہے (ترمذی شریف)۔
☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ کونسا دوست بہتر اور افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کا دیدار تمہیں اللہ کی یاد دلا دے اور جس کی گفتار تمہارے عمل میں زیادتی کا باعث ہو جس کا ملنا تمہیں آخرت کی یاد تازہ کر دے (مجمع الزوائد)۔

گویا مرشد پکڑنا اور اس کی اتباع لازم ہے۔اب مرشد کی اہمیت اور ضرورت کے متعلق فقہا و محدثین اور اولیائے کاملین کے فرمودات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ شیخ فقیہ محدث احمد شہاب الدین بن حجر ہیثمی فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے بہتر ہے کہ ان معارف کو حاصل کرنے سے قبل ان امور پر کاربند رہے جن کا حکم اس کے شیخ کامل نے دیا ہے۔ کیونکہ اس کا شیخ ہی طبیب اعظم ہے وہ ہر ایک کو اس کی بیماری اور مزاج کے مطابق دوا تجویز کرتا ہے اور اسے وہی غذا دیتا ہے جو اس کے لئے فائدہ مند ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالی نے اھدنا الصراط المستقیم فرمایا تو اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا صراط الذین انعمت علیھم اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرید کے لئے ہدایت اور مکاشفہ کے مقامات تک پہنچنے کا سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ وہ کسی ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے جو اس کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے اور گمراہی اور ضلالت کے راستے سے بچائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مخلوق پر نقص غالب ہے اور ان کی عقول ادراک حق اور خطاء صحیح کے درمیان تمیز نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جس کی ناقص شخص اتباع کرے یہاں تک کہ اس کی ناقص عقل شیخ کامل سے حاصل کردہ نور سے قوی و پختہ ہو جائے اور اس طرح وہ بھی مراتب سعادت اور کمالات کی بلندیوں پر فائز ہو جائے۔

شیخ ابراہیم باجوری رحمتہ اللہ علیہ

شیخ الاسلام ابراہیم باجوری رحمتہ اللہ علیہ ''جوہر توحید'' کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وکــن کـمـا کـام خیــار الــخــلــق

حـلیف حـلـم تـابـعـا الـلـحـق

''یعنی اخلاق کے ساتھ متصف ہوجا جن پر بہترین لوگ کاربند ہیں''۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر ریاضت کی منازل طے کرنا زیادہ منافع بخش ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔فرماتے ہیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے لئے ایک مرد کامل کا حال ایک ایک آدمی کو ہزار آدمیوں کے وعظ سے بہتر ہے۔سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے جو قرآن وسنت کو جاننے والا ہو یعنی بیعت کرنے سے پہلے پرکھ لے۔اگر وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو تو اس کی صحبت کو لازم پکڑے اس کے حضور مؤدب رہے' ہوسکتا ہے کہ اس کی توجہ سے اس کا دل صاف ہو جائے۔اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا والی ہے۔

ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ

حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب کسی کی اتباع کرنے کا ارادہ کرے اسے دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ اہل ذکر سے ہے یا غافلین میں سے' اس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے یا احکام الٰہی کی اطاعت کا۔ اگر تو اس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے اور غافلین میں سے ہو تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی اتباع کی جائے/ پھر فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ اور مقتدا کو دیکھے اگر تو اس میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے تو وہ اس سے دور ہو جائے۔اگر اس پر ذکر اللہ اور اتباع سنت کا غلبہ ہے اور اپنے امور میں انتہائی محتاط ہے تو اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے۔

امام ابوحامد غزالی رحمتہ اللہ علیہ

آپ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کی جماعت میں داخل ہونا فرض عین ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص قلبی امراض اور عیوب سے خالی نہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء میں احوال صالحین اور مقامات عارفین کا منکر تھا حتیٰ کہ میں اپنے مرشد یوسف نساج کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔وہ مجاہدہ کے ساتھ میرے دل کی صفائی کرتے رہے۔یہاں تک کہ میں واردات سے مشرف ہوا اور میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابوحامد اپنی مشغولیات کو چھوڑ دو اور اس قوم کی سنگت اختیار کرو جن کو میں نے زمین میں اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرایا۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری محبت میں دارین (دنیا وآخرت) کا سودا کر دیا۔میں نے عرض کی باری تعالیٰ مجھے ان کے بارے میں حسن ظن عطا فرما۔فرمایا میں نے عطا فرما دیا۔دنیا کی محبت میں مشغول نہ ہونا بھی تیرے اور ان کے درمیان پردہ ہے۔اس کی محبت سے خود بخود دستبردار ہو جا۔قبل اس کے کہ تجھے مجبوراً اس سے ہاتھ اٹھانا پڑیں۔اے غزالی میں نے تجھ پر جوار اقدس سے اپنے انوار کی بارش کر دی۔امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں خوشی خوشی بیدار ہوا اور شیخ یوسف نساج رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا ذکر

کیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا' اے ابو حامد! یہ تو ہمارے ابتدائی اشارے ہیں۔ اگر تو نے ہماری صحبت جاری رکھی تو تیری بصیرت کو تائید الٰہی کا سرمہ لگا دیا جائے گا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک راہ حق کے لئے کسی مرشد و مربی کا ہونا ضروری ہے تا کہ اسے راہ حق کی طرف راہنمائی کرے۔ اس کے مذمومہ اخلاق کو دور کر کے اسے اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرے۔ تربیت کا معنی یہ ہے کہ مربی اس کسان کی طرح ہے جو کھیتی کی نگہداشت کرتا ہے جب بھی کوئی پتھر یا کوئی نقصان دینے والی بوٹی دیکھتا ہے تو اسے اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ کھیتی کو بار بار سیراب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اچھی طرح نشوونما پا جاتی ہے وہ اپنی کھیتی کی حفاظت اس لئے کرتا ہے تا کہ وہ دوسری کھیتیوں سے اچھی ہو جائے۔ آپ نے جس طرح یہ جان لیا کہ کھیتی کو مربی کی ضروری اور حاجت ہے۔ اسی طرح ایک سالک کے لئے مرشد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنی ہدایت کے لئے بھیجا تا کہ وہ صراط مستقیم کی راہنمائی کریں۔ نبی کریم ﷺ نے اس دار فانی سے کوچ کرنے سے پہلے خلفاء راشدین کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا تا کہ وہ مخلوق کو اللہ کا راستہ دکھائیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک اُسی طرح جاری و ساری رہے گا اور سالک کبھی بھی اپنے مرشد سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ مرید کو ایک شیخ اور ایک استاد کی لامحالہ ضرورت ہے۔ جس کی وہ اتباع کرے تا کہ وہ شیخ اسے سیدھا راہ دکھائے۔ کیونکہ دین کا راستہ نہایت دقیق ہے اور شیطان کے راستے کثیر اور ظاہر ہیں اور جس شخص کو ہدایت دینے والا شیخ و مرشد نہیں ہو گا تو لامحالہ شیطان اس کو اپنی راہ پر لے آئے گا اور جو شخص ہلاکت خیز جنگل میں بغیر محافظ کے چلتا ہے وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور صرف اپنی ذات پر بھروسہ کرنے والا اس خودرو پودے کی طرح ہے جو جلد ہی خشک ہو جاتا ہے اور اگر کچھ مدت باقی رہ کر سرسبز بھی ہو جائے تو پھل نہیں دیتا۔ مرید کی پناہ اس کا شیخ ہے۔ اسے چاہئے کہ اس کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اس کے عیوب دکھا دیتا ہے اور جو شخص صاحب بصیرت ہو اس پر کوئی عیب مخفی نہیں رہتا۔ پس جب اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے تو ان کا علاج بھی ممکن ہو جاتا ہے لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے غافل ہوتے ہیں انہیں اپنے کسی بھائی کی آنکھ میں تنکا تو نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔

ابن عطاء اللہ سکندر رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ابن عطاء اللہ سکندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طریقت اور راہ سلوک کو اپنانے کا پختہ عزم رکھتا ہو اسے چاہئے کہ کسی ایسے شیخ کی تلاش کرے جو اہل تحقیق میں سے ہو اور طریقت کے اسرار و رموز سے واقف اور نفس کا تابع نہ ہو' اسے مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو اور جب اسے ایسا مرشد مل جائے جو ان تمام صفات کا جامع ہو' اسے چاہئے کہ وہ اس کے علم کی اتباع کرے اور جن چیزوں کو وہ ترک کرنے کا

حکم دے ان سے رک جائے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارا شیخ وہ نہیں جس سے تم نے کچھ سنا ہو بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس سے تم نے حاصل کیا ہو۔ تمہارا شیخ وہ نہیں جس کا کلام تم نے سنا بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس کا یک اشارہ تم میں سرایت کر جائے۔ تمہارا شیخ وہ نہیں جو تمہیں دروازہ کی طرف بلائے بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہیں اپنے حال سے بلند مقام پر فائز کر دے۔ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہیں حرص وہوس کے قید خانہ سے باہر نکال کر مولیٰ سے ملا دے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے دل کے آئینہ کو صیقل کرتا ہے' جہاں تک اس میں انوار الٰہی اور اس کی تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے اور تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک لے جائے اور اس سفر میں تمہارے ساتھ قدم بقدم چلتا رہے حتیٰ کہ اس بارگاہ قدسی کے انوار میں داخل کر کے کہے۔ یہ ہے تمہارا پروردگار۔ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کی صحبت اختیار نہ کر جس کا حال تمہاری بلندیٔ درجات کا سبب نہ ہو اور جس کا قال اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی نہ کرے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں:۔

☆ اگر تیرے لئے مقدر ساز گار ہو اور قضا تجھے ایسے شیخ کامل کی بارگاہ میں لے جائے جو رموز حقیقت سے آشنا ہو' تو اس کی خوشنودی میں معروف ہو جا اس کے حکم کی اتباع کر اور ان تمام امور کو ترک کر دے جن میں پہلے جلد بازی کرتا تھا' اور شیخ کے جن امور سے تو ناواقف ہو۔ ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ اعتراض کرنا لڑائی جھگڑے کے مترادف ہے۔

☆ حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ تیرے لئے کافی ہے جب انہوں نے بچہ کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر اعتراض کرتے تھے۔

☆ جب صبح رات کی تاریکی سے روشن ہوئی اور اس نے اندھیروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار سونت لی۔

☆ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے عذر پیش کیا اس طرح صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم کے کلام میں بھی عجیب وغریب نکات ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ

عالم ربانی شیخ الوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے عمومی وعدہ لیا ہے کہ ہم ہر وضو کے بعد دو نفل نماز پر مواظبت اختیار کریں۔ اس شرط کے ساتھ کہ امور دنیا میں سے کسی شے کا خیال دل میں نہ آئے اور جو شخص اس عہد پر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے ایک شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اس راہ پر چلائے اور دل میں آنے والی ان خواطر سے بچائے۔ آپ فرماتے ہیں' اے بھائی! کسی شیخ ناصح کی صحبت اختیار کر جو تجھے اللہ کی یاد میں مشغول کر دے یہاں تک کہ نماز میں آنے والے خیالات کو ختم کر دے مثلاً تیرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں کام کے لئے جاؤں گا یہ کروں گا وہ کروں گا' یا ان کی مثل دیگر خیالات کا آنا لازمی ہے۔ تیری ایک نماز بھی اس سے نہیں بچ سکتی۔ ان مذکورہ باتوں کو جاننا

تیرے لئے ضروری ہے اور بغیر شیخ کے اس منزل تک رسائی کے لئے کوشاں نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا خیال ہے ان کی بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر شیخ کے میرے مجاہدہ نفس کی یہ صورت تھی کہ میں صوفیائے کرام کی کتب (رسالہ قشیریہ' عوارف المعارف' قوت القلوب' احیاالعلوم وغیرہ) کا مطالعہ کرتا تھا اور جو کچھ سمجھ آتا تو اس پر عمل کرتا۔ پھر کچھ مدت بعد اس امت کے خلاف مجھ پر ظاہر ہوتا تو میں پہلے عمل کو ترک کر دیتا اور دوسرا عمل شروع کر دیتا۔ میری حالت اس آدمی کی طرح تھی جو کسی گلی میں داخل ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ گلی کا راستہ باہر نکلتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ راستہ پالیتا ہے تو باہر نکل جاتا ہے وگرنہ واپس لوٹ آتا ہے۔ اگر وہ گلی میں داخل ہونے سے پہلے کسی آدمی سے پوچھ لیتا ہے جو اس گلی کے بارے میں واقفیت رکھتا ہو تو وہ اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیتا اور بے فائدہ تھکاوٹ سے بچا لیتا ہے۔ یہ مثال اس شخص کی ہے جس کا کوئی شیخ نہ ہو۔

شیخ کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مرید کے لئے ''وصول الی اللہ'' کے راستہ کو مختصر کر دیتا ہے جو بغیر شیخ کے اس راستہ پر چلتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے اور اپنی تمام عمر صرف کرنے کے باوجود بھی منزل مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ شیخ اس گائیڈ کی مثل ہوتا ہے جو تاریک راتوں میں حاجیوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اگر اس منزل کا حصول بغیر شیخ کے صرف کتابوں کے مطالعہ سے ممکن ہوتا تو حجتہ الاسلام امام غزالی' امام عزالدین بن عبدالسلام رحمتہ اللہ علیہم جیسے علماء کو شیخ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ حالانکہ وہ طریقت میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے جو شخص بھی یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے اسی طریقہ کے علاوہ بھی حصول علم کا کوئی راستہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے لیکن جب دونوں طریقت میں داخل ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنی عمر کو بے کاری اور حجاب میں گزار دیا اور اس طرح انہوں نے صوفیا کرام رحمتہ اللہ علیہم کے طریقہ کو ثابت کیا اور اس کی تعریف و توصیف کی۔

شیخ ابو علی ثقفی رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ابو علی ثقفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص تمام علوم و فنون کا جامع ہو اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کی صحبت ہو پھر بھی وہ صوفیائے کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ وہ کسی شیخ سے تربیت حاصل نہ کر لے۔ جو شخص کسی شیخ کامل سے ادب حاصل نہیں کرتا تصحیح معاملات میں اس کی اتباع جائز نہیں۔

شیخ ابو مدین رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ابو مدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو متادب شیوخ سے آداب حاصل نہیں کرتا وہ اپنے متبعین کے لئے خرابی عمل کا باعث بنتا ہے۔

شیخ احمد زروق رحمتہ اللہ علیہ

شیخ احمد زروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم وعمل کا مشائخ عظام سے حاصل کرنا دوسرے لوگوں سے حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "بلکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) روشن نشانیاں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا" (عنکبوت)۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ

مرشد کامل مکمل باطن کی ہر منزل اور ہر راہ کا واقف ہوتا ہے۔ باطن کی ہر مشکل کا مشکل کشا ہوتا ہے۔ مرشد کامل توفیق الٰہی کا نام ہے جب تک توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو کوئی کام سرانجام نہیں ہو پاتا۔ مرشد کامل کے بغیر اگر تو تمام عمر اپنا سر ریاضت کے پتھر سے ٹکراتا رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ بے مرشدہ بے پیر کوئی شخص خدا تک نہیں پہنچ سکا۔ مرشد کامل مکمل جہاز کے دیدہ بان کی طرح ہوتا ہے جو جہاز رانی کا ہر علم جانتا ہے اور ہر قسم کی طوفان و بلا سے جہاز کو نکال کر غرق ہونے سے بچالیتا ہے۔ مرشد خود جہاز اور خود جہاز راں ہوتا ہے۔ فہم من فہم (سمجھ والا سمجھ گیا) (عین الفقر)۔

اللہ پاک ہمیں بھی سمجھنے کی توفیق اور سچے لوگوں کی صحبت عطا فرمائے جن کے واسطے سے جنت ملتی ہے

آمین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ و یٰسین ﷺ

فرمان حق تعالیٰ ہے وادخلی عبادی فادخلی جنتی

"میرے بندوں میں داخل ہو اور پس میری جنت میں داخل ہو جا" (القرآن)۔

مرشد کامل اور رموز قرآن

محترم قارئین کرام! علم دو قسم ہے۔ ایک وہ جو صفحہ قرطاس پر رقم طراز ہوتا ہے۔ کتابوں کے صفحات پر لکھا جاتا ہے۔ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے اور ایک علم وہ ہے جو دل کی تختی پر لکھا جاتا ہے جو پڑھنے پڑھانے سے نہیں کسی کی صحبت میں بیٹھنے سے ملتا ہے' جو عقل کی مشق سے نہیں عشق کے مجاہدوں سے ملتا ہے اور جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا ہے اور جو اس علم سے حجابات اٹھتے ہیں وہ ان ساری کمیوں کو پورا کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اطمینان جو بعض اوقات علماء کی مجالس میں جانے سے نہیں ہوتا وہ صوفیاء اور عارفین کی مجالس میں نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے جو اللہ پاک نے ہمیں راستہ دکھایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ فسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "اگر تم نہیں جانتے اور جاننا چاہتے ہو تو یہ نہیں فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ جو علم رکھتے ہیں' اسی لئے علم والے بعض اوقات خود تخمین میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پوچھیئے امام غزالی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اور خود تصدیق کر لیجئے کہ وہ غزالی تھے امام وقت تھے جامعہ نظامیہ کے شیخ تھے۔ شیخ الجامعہ وائس چانسلر تھے' اپنے وقت کے علم وفن کے امام تھے' پوری دنیا علم میں سند لینے کے لئے امام غزالی کے پاس آتی تھی۔ علم کے انداتا تھے۔ سند تھے پوری دنیائے اسلام میں مگر اپنے اندر کی حالت یہ تھی کہ پریشان قلب

رہتے تھے۔ حقیقت کا علم چونکہ نہ تھا۔ اس لئے ہر وقت پریشان رہتے۔ مضطرب رہتے۔ سو ایک دن یہ نوبت آ گئی کہ کہتے ہیں کہ میں پوری دنیا کو مختلف منطقی اور فنی علوم و فنون کے ذریعے حقیقت کے علم کی بات کرتا ہوں اور اپنا حال یہ ہے کہ خود حقیقت کا علم نہیں رکھتا۔ تو زندگی کا مزہ نہیں۔ وہ نکلے کہ میں حقیقت کو تلاش کروں۔ فلسفیوں کے پاس گئے اور جا کر پوچھا کہ تمہارے پاس ہے حقیقت کا علم؟ اب اگر کوئی عام شخص ہوتا اور سوال کرتا تو وہ ڈینگے مارتے اور کہتے جی ہاں ہمارے پاس ہے ہی حقیقت کا علم چونکہ انہیں معلوم تھا کہ سوال کرنے والا غزالی ہے۔ یہاں لفظ بیانی نہیں چلے گی' داؤ پیچ نہیں چلے گا۔ صاف صاف معذرت کر دی کہ جی ہمارے پاس تو نہیں ہے۔ مناطقہ کے پاس گئے پوچھا تمہارے پاس ہے حقیقت کا علم؟ صاف صاف معذرت کر دی کہ ہمارے پاس تو نہیں ہے کہ ہم تو اسی چکر میں ہیں کہ ذھلون یطوف بالیل و کل من یطوف بالیل فھو سارك فذھد سارك۔ خواہ رات کا چوکیدار ہی کیوں نہ رات کا طواف کرتا رہے یعنی ہمارا اموازو استقلال ہی اسی قسم کا ہے حقیقت تو بڑی آگے کی بات ہے۔ بعد میں علمین کے پاس گئے کہ تمہارے پاس ہے حقیقت کا علم؟ جواب نہیں پایا۔ حقیقت کا وہ علم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا تھا کہ حقیقت کا علم اس شان کے ساتھ ہو جیسے دو جمع دو چار ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پھر اگر ساری دنیا زمین پر لاٹھی پھینکے اور وہ سانپ بن جائے اور طرح طرح کے کرشمے دکھائے۔ آگ میں چلے اور اسے آگ نہ جلائے۔ ہوا میں اڑے اور یہ سارے کرتب دکھا کر بھی کوئی شخص مجھ سے کہے کہ دو جمع دو چار نہیں بلکہ پانچ ہوتے ہیں تو میں کہوں گا کہ تمہارے کرشمے تمہیں نصیب مگر علم یقین یہ ہے کہ دو جمع دو چار ہوتے ہیں پانچ نہیں۔ اس طرح کا تسلی بخش یقینی علم چاہئے ہر طرف سے جواب مل گیا۔ بالآخر خرقہ پوشوں' صوفیا' درویشوں اور اہل تصوف کے پاس گئے۔ ان سے پوچھا تو وہ جواب میں کہنے لگے کہ ہمارے پاس حقیقت کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں' ہمارا تو تعلق بھی حقیقت سے ہے' وجود حقیقی نہیں ہم اسے وجود ہی نہیں مانتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے پھر حقیقت کا علم کس طرح ملے گا۔ صوفیاء نے فرمایا کہ غزالی پہلے تم علم و فن کے سارے سمندر عبور کر چکے ہو مگر اب پھر مقتدی بن جاؤ طالب بن جاؤ اور تصوف کو پڑھو۔ فرماتے ہیں میں نے دو سال تصوف کو پڑھا۔ جب ضروری حد تک دو سال پڑھ کے فارغ ہوا تو اس دن فرمایا کہ تصوف تو نام ہی عمل کا ہے فرماتے ہیں سو میں عمل میں داخل ہوا۔ گیارہ سال خلوت گزینی کی۔ ریاضتیں کیں' مجاہدے کئے تو جب حقیقت کو پا لیا تو باہر آ کر اپنی زندگی کی سرگزشت لکھی اپنے ہاتھ سے داستان لکھی کہ حقیقت کو میں نے کس طرح پا لیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں یقین کی حد تک اس علم کو پا گیا۔ اس پورے مرحلے سے گزرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ کی راہ کے مسافر حقیقت میں ہیں ہی صوفیاء باقی تو سب بھٹکتے پھرتے ہیں۔ باقی تو سب ہاتھ مارتے پھرتے ہیں۔ ان مقربین صوفیاء اور اولیاء کے بارے میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ ان کی سیرت دنیا کی سیرتوں سے بہترین ہے۔ ان کا راستہ سب راستوں سے اعلیٰ ہے۔ ان کا اخلاق سب اخلاقوں سے اعلیٰ و افضل ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں اس

نتیجے پر پہنچا کہ اگر پوری دنیا کے اہل علم کا علم اکٹھا کیا جائے' عقل والوں کی عقل خرد جمع کر لی جائے' شریعت اور اسرار شرع اور شریعت کے حکم ورموز رکھنے والوں کے حکم ورموز کو جمع کر لیا جائے' سارے علم و معارف کو جمع کر لیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ان سارے علوم کو ملا کر صوفیاء کے طریقہ سے بہتر طریقہ' تصوف سے بہتر کوئی طریقہ پیدا کیا جائے تو اللہ کی عزت کی قسم یہ ممکن نہیں تصوف سے بہتر طریقہ نہیں لایا جا سکتا۔ اہل تصوف سے بہتر سیرت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اہل تصوف سے بہتر اخلاق پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اہل تصوف سے بہتر علم میں نہیں کیا جا سکتا۔ اہل تصوف سے بہتر معرفت ممکن نہیں کیوں کیا وجہ ہے فرماتے ہیں کہ اللھم یکسون من نور مشکوۃ نبوت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہ علماء کتابوں سے علم کی شمع جلاتے ہیں۔ منا قمع منطق سے۔ فلاسفہ فلسفے سے اور مختلف وسائل اور ذرائع سے اپنی اپنی علم کے جلاتے ہوئے چراغ جلاتے جا رہے ہیں مگر صوفیاء اپنا چراغ براہ راست سینۂ محبوب کریم ﷺ کے چراغ سے جلاتے ہیں۔ ان کا تعلق شمع سیرہ مصطفوی ﷺ سے ہوتا ہے۔ ان کے پردے اٹھ چکے ہوتے ہیں' حجابات مرتفع ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کی دوریاں قربتوں میں بدل جاتے ہیں۔ ان کے فاصلے مٹ چکے ہوتے ہیں۔ یہ براہ راست مالک ومختار دو جہاں ﷺ سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان کے سینے کو روشنی جب سینۂ مصطفیٰ ﷺ کے چراغ سے ملتی ہے تو ظلمتوں کے سارے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ یہ تو بات تھی امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے علم فقہ حاصل کر لیا شریعت کے علم میں سمندر بن گیا مگر باطنی علم سے بے خبر رہا تو وہ فاسق و فاجر ہو گیا اور جس نے علوم باطن کو حاصل کیا اور شریعت کے ظاہری علوم سے دور رہا تو وہ زندیق و ملحد ہو گیا اور فرماتے ہیں حق اسی نے پایا جس نے دونوں کو یکجا کیا۔ جب سے ہمارے علوم ظاہر و باطن میں تقسیم ہو گئے اور علوم باطن کو معاذ اللہ ہم نے دین کے خلاف کوئی شے سمجھ کر صوفیاء اور اولیاء کے طریقوں کو شریعت اور دین سے ہٹ کر معاذ اللہ بدعت سمجھ کر مسترد کر دیا تو اس وقت سے دین ہمارے پاس نہ رہا۔ یہ امام مالک کا فرمان تھا اور دوستو! صورت یہ ہے کہ یہ محبوب کریم ﷺ کے زمانے سے تصوف چلا آ رہا ہے۔ یہ جو اصحاب صفہ کی جماعت تھی یہ صوفیاء کی جماعت تھی۔ رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے العلم علمان علم فی التقلب وعلم علی اللسان العمل اول فذاک العلم النافع و عمل الاخر فذاک الحجۃ علی الیناد (مشکوۃ شریف)۔ فرماتے ہیں علم دو طرح کا ہے کہ ایک وہ علم ہے جو دل سے پھوٹتا ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو زبان سے جاری ہوتا ہے یہ پہلا علم ہی نفع بخش ہے جبکہ دوسرا علم وہ ہے جو ابن آدم پر حجت ہے اس پر عمل کرنا لازم ہے اگر اس میں سے نفع چاہتے ہو تو نفع اس علم سے حاصل ہو گا جس کا سرچشمہ دل سے پھوٹتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے دو طرح کے علم حاصل کیے ان میں سے ایک وہ جو صبح شام آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں' دوسرا

وہ ہے کہ اگر میں عام کر دوں تو میری گردن قلم کر دی جائے۔ اس کے لئے فقط خاص دل چاہئے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں۔

سینہ خواہم شرح شرح از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

اس علم کے لئے کوئی اہل سینہ چاہئے جو ہجر محبوب میں پھٹا ہوا ہو جس کے اندر عشق کی آگ بھڑکی ہو جس نے ہر غیر کو جلا کر راکھ کر دیا ہو اور درد اشتیاق کی چیخیں جس کے اندر اٹھتی ہوں' ایسا سینہ ملے تو میں بھی اسے اپنا درد سناؤں۔ دوستو! یہ وہ علم ہے جب تک علم کا سرچشمہ دل سے نہ پھوٹے اس وقت تک قرانی اثرات اور معارف تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ اس علم کی جوت جب تک ساتھ نہ لگے اور جب تک اس علم کی جاگ علم شرعی کو نہ لگے۔ دودھ پڑا رہے آگ کے پاس جب لسی کو جاگ نہ لگائیں تو دہی بنتی ہے کیا؟ اس میں سے مکھن نکلتا ہے کیا؟ خالی دودھ پر آپ سارا دن ساری رات محنت و مشقت کریں۔ اب تھوڑی سی لسی اس میں ڈالیں عام لوگوں کے سمجھنے کی بات ہے چند قطرے ہی لسی ڈالیں پانچ کلو دودھ تھا دس کلو دودھ تھا سارا کچھ تو دودھ میں ہی تھا۔ آپ نے سب کچھ کیا صرف چند قطرے لسی نہیں ڈالی تو مکھن نہیں نکلا۔ اب جو تھوڑی سی لسی آپ نے ڈالی اس کو کہتے ہیں جاگ لگانا سب کچھ دودھ کے اندر مگر چھپا ہوا تھا۔ اس کو نکالنے کے لئے منظر عام پر لانے کیلئے اسے مکھن کے قابل بنانے کے لئے اس کے خابیدہ جوہر کو آشکارا کرنے کے لئے اس کے اندر جو توانائیاں تھیں ان کو نکھارنے کے لئے جاگ کی ضرورت تھی۔ جاگ لگی اس سے وہ جم گیا۔ اب مکھن بھی نکلا' دہی بھی بنی سب کچھ بنتا گیا۔

دوستو! ایک انسان علم حاصل کرتا ہے۔ عمل کرتا ہے تگ و دو کرتا ہے۔ سب کچھ کرتا ہے وہ ساری توانائیاں وہ سارے جواہر ساری چیزیں بنیادی طور پر موجود ہیں مگر ساری محنتیں کرتے چلے جائیں۔ اس سے وہ جواہر منظر عام پر نہیں آتے' صلاحیتیں نہیں نکھرتی۔ جب تک کہ اس کو عشق کے چند قطروں کی جاگ نہ لگے۔ کسی اہل دل کی نظر کی جاگ نہ لگے۔ بس ہوتے چند قطرے ہیں' ہوتی چند لمحوں کی صحبت ہے جو سارے حال کو بدل دیتی ہے۔

آپ کیلا کھاتے ہیں۔ دو کیلے آپ کے پاس آئے۔ ایک ہری چھال کا اور ایک سندھ کا کیلا۔ ہری چھال کے کیلے کا سائز چھوٹا ہے دوسرا کیلا خاصا موٹا کیلا اس کے اندر مٹھاس بھی نہیں خوشبو بھی نہیں۔ ذائقہ بھی نہیں۔ دوسرا کیلا بے شک چھوٹا ہے مگر مٹھاس بھی ہے لذت بھی ہے حلاوت بھی ہے سب کچھ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سائنس کا طالب علم کیلے کے اجزائے ترکیبی لکھتا ہے یا کتاب میں کیلے کے اجزائے ترکیبی لکھے ہوئے پڑھے جائیں۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں چھلکا بھی آتا ہے' بیج بھی آئے گا سب کچھ لکھا ہوا آئے گا۔ اجزائے ترکیبی میں کبھی ذائقہ بھی شامل ہے؟ مٹھاس اور وہ خوشبو حلاوت بھی لکھی ہوئی ہوتی ہے؟ کسی کتاب میں یہ درج ہے کہ یہ چیزیں اس کا حصہ ہیں؟ مگر یہ نہ ہوں تو کیلا کسی کام کا نہیں۔ جس چیز کا کسی

کتاب میں نام تک درج نہیں وہی ساری شے ہے اور جو لوگ مادیت پرست ہیں ہر شے کو مادے کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جی یہ نہ تو نظر آتی ہے اور نہ ہاتھ سے چھوئی جا رہی ہے۔ چھلکا پودا سب کچھ نظر آ رہا ہے مگر ذائقہ نظر نہیں آتا' خوشبو نظر نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز نظر نہیں آتی وہی تو اصل سے ہے جو نظر آتا ہے وہ تو چھلکا ہے جو نظر آتا ہے وہ حفاظت کے لئے لبادہ ہے۔ اگر لبادہ نہ ہو تو حقیقت کی حفاظت نہیں ہوتی اور حقیقت وہی ہے جو نظر نہیں آتی۔ وہ چھلکا اور لبادہ تو اللہ تعالیٰ نے حقیقت کی حفاظت کے لئے بنایا ہے۔ آپ چھلکوں کے پیچھے جاتے ہیں اور حقیقت کو چھوڑ دیتے ہیں۔

دوستو! یہ جو نظر کی باتیں ہیں جو عشق کے اثرات ہیں اور یہ جو صحبتوں کی باتیں ہیں۔ بے شک یہ کتابی علم کے اجزائے ترکیبی میں سے نہ ہوں اگر ان کو نکال لیا جائے تو سب چیزیں بیکار ہیں۔ اگر یہ ہیں تو ہر شے کارآمد ہے اولیائے کرام یعنی مرشد کامل جو چیز نظر نہیں آتی وہ اثر ڈال دیتے ہیں۔ اس نگاہ سے ہر شے کی حقیقت پیدا ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر وہ حقیقت قائم ہو جائے تو پھر وہ کسی اور چیز کی محتاج نہیں رہتی اور اصل حقیقت تو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ اگر وہ حقیقت قائم ہو جائے اجاگر ہو جائے روشن ہو جائے تو وہ موت وارد ہونے سے بھی ختم نہیں ہوتی اور کتنے عظیم ہیں وہ لوگ جس نے دنیا میں بھی اس جسم پر اپنی حقیقت کو غالب کر دیا اور جب وہ حقیقت طاقتور ہو جاتی ہے تو جس طرح جسم کے اندر رہ کر جسم کو تروتازہ رکھتی ہے۔ اگر ان کا وصال ہو جائے تو قبر میں جا کر بھی جہاں کہیں چاہتی ہے پھرتی ہے' برزخ کی سیر کرتی رہے' دنیا میں آتی جاتی ہے' جہاں کہیں بھی جائے وہ اتنی طاقتور ہوتی ہے جس طرح سورج دور رہ کر پودوں کی حفاظت کرتا ہے' اس طرح وہ حقیقت قبر میں پڑے ہوئے جسم اور جو لاغر روحیں اور مردہ دل جو اس کی طرف متوجہ ہوں تو ان کو بھی زندگی بخشتی ہے۔

دوستو! نقطہ یہ سمجھنا ہے کہ انسانی زندگی کا معاملہ ہو خوراک کا معاملہ ہو' علم و ہنر کا معاملہ ہو انسانی جسم کا معاملہ ہو تین چار مثالیں اس لئے بیان کی ہیں کہ کسی بھی مسئلے کو زاویۂ نگاہ سے سمجھ لیا جائے۔ بات یہ ہے کہ ہر شے کے اندر ایک حقیقت ہے اور وہی اس کی جان ہوتی ہے۔ قرآن فہمی کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اس علم کی حقیقت اور جان عشق ہے۔ جب تک اس علم کو عشق کی جاگ نہ لگی ہو اس وقت تک قرآن سے ہدایت میسر نہیں آ سکتی۔ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا اسی سے بہت سے گمراہ ہو رہے ہیں وہ لوگ جن کے پاس علم تو ہے مگر ان کے علم کے دودھ کو عشق کی جاگ نہیں لگی اگر وہ قرآن پڑھتے ہیں تو گمراہ ہو جاتے ہیں اور جنہوں نے علم کے دودھ کو عشق کی جاگ لگا دی وہ قرآن پڑھتے ہیں تو ہدایت پاتے ہیں۔ بارش جو کہ سراسر زندگی اور زندگی بخش ہے وہ اگر پاکیزہ زمین پر گر جائے تو سبزہ اگتا ہے' زمین زندہ ہو جاتی ہے' ہریالی آ جاتی ہے۔ اگر وہ متعفن زمین پر گر جائے تو اس سے تعفن ہزاروں امراض اور بدبو پھیلتی ہے' اس سے موت نکلتی ہے۔ بارش کے قطرے تو ایک ہیں' بارش میں کوئی فرق نہیں' زمین زمین میں فرق ہے۔

دوستو! قرآنی علم و معارف کی بارش ہر سینے پر یکساں ہوتی ہے مگر تزکیہ کے ذریعہ تصفیہ کے ذریعے عشق الٰہی عشق رسول ﷺ کے ذریعے کسی کامل اکمل مرشد کی نگاہ کے ذریعے جس سینے کی زمین صاف ہو چکی ہے وہاں قرآن کی بارش ہو تو معرفت کی ہریالی اگتی ہے اور جو سینہ غلاظتوں کا ڈھیر ہے' گندگی کا ڈھیر ہے' بغض و بے ادبی اور بداعتقادی کا ڈھیر ہے اللہ اور اس کے محبوب ﷺ سے لاتعلقی کا ڈھیر ہے' گستاخی کا ڈھیر ہے' جس کے اندر نور ایمان نہیں۔ منوع عرفان نہیں' نور ایقان نہیں' نور اخلاص نہیں' نور اطاعت نہیں' نور عبادت نہیں' نور تزکیہ نہیں اور تصفیہ نہیں۔ جو سینہ گندہ ہے وہاں اسی قرآن کی بارش گرتی ہے تو بجائے ہدایت کے گمراہی اور تعفن نکلتا ہے۔ جو شخص پاک سینے والے کی صحبت میں بیٹھے گا جب قرآن کی بارش اس کے سینے پر گرتی ہے تو اس کی ہریالی سے صحبت میں بیٹھنے والے بھی سیراب ہوتے ہیں اور جس کے اندر غلاظتیں ہیں وہ قرآن کی آیتیں تلاوت کر رہا ہو۔ تفسیر کر رہا ہو اس کا درس ہو جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ اولیاء کی صوفیاء کی اہل صفا کی ضرورت ہے کہ علم میں عشق کی جاگ لگے علم میں صفائے قلب کی۔ درد و سوز کی علم میں' تڑپتی ہوئی آنکھوں کی' تڑپتے ہوئے دلوں کی سوز و قلب کی جاگ لگے۔ جب تک یہ جاگ نہ لگے گی . س وقت یہ علم بے فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جان رحمت ﷺ کا نظام تربیت بیان فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "یہ رسول (ﷺ) ان پر قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتا ہے پھر ان کے قلب و باطن کا تزکیہ فرماتا ہے ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے"۔ تزکیہ سے مراد صاف کرنا ہے یعنی اس طرح صاف کرنا کہ اس میں مزید کوئی میل باقی نہ رہ جائے جیسے ایک عورت برتن صاف کرنے کے لئے برتن پر صرف پانی نہیں بہاتی بلکہ اسے ریت وغیرہ سے رگڑ لگا کر صاف کرتی ہے اسی طرح دل کا برتن بھی صرف زبانی ذکر سے صاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کسی خاص چیز کی ضرورت ہے جو اس کے میل کو اتار سکے۔ وہ چیز کسی صاحب نظر کی نظر اور اس کا پڑھایا ہوا کلمہ ہے۔ یہی طریقہ مالک کائنات ﷺ کا تھا تزکیہ کے بعد محبوب کریم ﷺ انہیں کتاب کی تعلیم دیتے یعلمھم الکتاب۔ اب جو محبوب کریم ﷺ کا طریقہ تعلیم و تربیت ہے اس سے تو ہمیں نہیں ہٹنا چاہئے۔ اس میں تلاوت آیات تزکیہ نفوس' تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا۔ قبول اسلام سے پہلے شرک اور فسق و فجور کی آلائشوں سے ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔ حاکم کائنات ﷺ کی بارگاہ میں لوگ آتے آپ ﷺ آیات کی تلاوت کرتے جب آیات رحمت کائنات ﷺ کی زبان اقدس سے نکلتیں تو ان سے اجالا پیدا ہوتا تو تلاوت آیات کے اجالے سے ان کے باطن روشن ہو جاتے۔ جب اندر روشنی پیدا ہوتی تو اس روشنی سے جو پہلے کفر و فسق و فجور' جہالت' گناہوں اور نافرمانیوں کے رنگ چڑھے ہوتے تھے دکھائی دیتے اور زنگ دیکھتے ہی وہ بے تاب ہو جاتے ان کے ہاں تڑپ پیدا ہوتی کہ اب یہ زنگ صاف کئے جائیں۔ یہ برتن دل کے دھلیں اور اندر پاکیزگی و طہارت اور اجالا ہو۔ جب یہ تڑپ پیدا ہوتی اور اشتیاق ہوتا تو ان کی پاکیزگی کا رستہ کھلتا' یہ طلب صادق سے حاصل ہوتی ہے۔ جب تک طلب

صادق نہ ہو تو حاصل کچھ نہیں ہوتا جب تک طلب کو شدت تک پہنچا نہ لیا جائے اس وقت تک توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ طلب شدید ہونے سے پہلے توجہ کر لی جائے تو توجہ ضائع جاتی ہے۔ جب توجہ سے زنگ دکھا دکھا کر طلب میں شدت پیدا کر دی تو محبوب کریم ﷺ کی نگاہ کرامت ان کے باطنوں کی صفائی پر لگ گئی۔ ویزکیھم سے جب ان کے دل کے برتن صاف ہوئے تو پھر قرآن کی تعلیم دی۔ جب ان کے سینے قرآن کی تعلیم اور معرفت کا محور بن گئے تو پھر والحکمۃ پھر حکمت اور دانائی عطا کی اور دوسرے مقام پر فرمایا ویعلمکم مالم تکونو تعلمون پھر علم لدنی بھی عطا کیا۔ حضرات محترم قرآن اور احادیث محبوب کریم ﷺ کو پڑھ لیں ان کے حوالے سے بات سمجھا دی لیکن بات ایک ہی ہے کہ جب تک یہ اندر صاف نہ ہو اور یہ عشق کے پانی کے بغیر صاف نہیں ہوتا اور وہ عشق کتابوں سے نہیں بلکہ صحبت اور مرشد کامل کی نگاہ سے ملتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بلغدرۃ العشی یریدون وجھہ ''اپنی جان کو روک رکھ جما کے رکھ ان لوگوں کی صحبت و مجلس میں جو صبح و شام یار کو پکارتے ہیں''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے چہرے کے طلبگار رہتے ہیں اور آگے فرمایا۔ ولا تعدو عینک عنہ تریدون زینہ الحیوۃ الدنیا ''اور اپنی نگاہوں کو ان اللہ والوں سے نہ پھیرو اگر اللہ والوں سے نگاہیں پھیر لیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ تو دنیا کی زینت کو چاہتا ہے'' اور اللہ والوں سے نگاہوں کو پھیرنا دنیا طلبی ہے اور ان پر نگاہوں کو جمانا مولا طلبی ہے کیونکہ ان اللہ والوں سے جو ذکر بھی کرتے ہیں اور اللہ کے چہرے کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی صحبت اور ان کی نسبت کا اللہ پاک نے حکم دے دیا کہ اگر میری ذات کی طلب ہے اور اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کو دیکھنا چاہتے ہیں اور ان سے دوری اختیار کرنا دنیا کی زینت اور دنیا کی آلائشوں میں شامل ہونا ہے اور جو وہ ذکر کرتے ہیں تو زبان سے نہیں بلکہ دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے ذاکروں کو اپنی ذات ان کے دلوں میں دکھا دیتا ہے اور دل سے ذکر نہ کرنے والوں کی نسبت اور صحبت سے بچنے کے لئے اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا ''اور اس کے پیچھے نہ چل جن کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہیں''۔

قارئین کرام اتنا ہی مقصود ہے کہ قرآن مجید کا فہم اور قرآن مجید کی معرفت عشق کی جاگ کے بغیر میسر نہیں آتی اور جہاں جہاں آپ قرآن سنیں قرآن کا درس قرآن کی تفسیر قرآن کا بیان قرآن کی تعلیم اور ذکر جو کچھ بھی سنیں اگر وہ عشق کی جاگ کے بغیر نظر آئے تو اس جگہ سے بچیں اور عشق کے بغیر ہدایت نہیں ملتی اور اسی لئے اللہ کریم نے شرط بھی صراط الذین انعمت علیھم ''اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی لگائی'' نہ اہل منطق کی نہ اہل فلسفہ کی نہ اہل تفسیر کی لگائی کسی کی بھی نہیں بلکہ جن پر مولا کا انعام ہوا ان کے پیچھے چلا اور انعام کیا ہے۔ سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قربت عطا کی اپنا عشق اور اپنی ذات عطا کی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی جلوہ گری فرمائی کہ ان کی زبان پر بھی اللہ تعالیٰ خود بولتا ہے ان کے

ہاتھ پاؤں، آنکھیں، دل حتیٰ کہ ان کا سارا وجود اس ذات کا مظہر بن جاتا ہے۔ وہ ان کے اندر بھی اس طرح مستغرق رہتے ہیں جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ "اللہ تم جدھر دیکھو تمہیں اللہ کا چہرہ نظر آئے گا"۔ اس میں اللہ کی ذات کے علاوہ جب کچھ ہوتا ہی نہیں تو انہیں اور کیا دکھائی دے گا اور اس طرح ان کا وجود حقیقی بن جاتا ہے اور ہر دور میں ایسی مظہر ذات ہستی لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ منتخب فرماتا ہے۔ جب ان کی صحبت اور نسبت نصیب ہوتی ہے تو جو ان کے ساتھ مل جاتا ہے۔ ان کو بھی وہی چیز حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ الانسان سری وانا سرہ "کہ انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں" اور سب سے بڑا راز اللہ تعالیٰ کا یہ ہی ہے کہ جو اس کا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو دل تمام آلائشوں سے پاک صاف ہوتا ہے اور اس دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے فرمایا کہ واذکر ربک اذا نسیت "اور اللہ تعالیٰ کا تو نور ہمیشہ چمکتا دمکتا رہتا ہے"۔ بس کمی ہمارے دیکھنے میں ہے۔ جب تک دل کی آنکھ ہی نہ کھلی تو دیکھنا ناممکن ہے لیکن دل کے آئینے کو صاف کرنے کے لئے ویسے کیمیا والی نگاہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس دنیا میں ایسا مرشد کامل اکمل تلاش کرنا ہوگا جو نہ صرف زبانی ذکر دیتا ہو بلکہ قلبی ذکر عطا کر کے ہمارے ظاہر و باطن کو پاک کر لے تاکہ ہمارا دل صاف ہو اور ہمیں اس دنیا میں مقصد حیات اور مقام انسانیت نصیب ہو۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اہل ذکر کون

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو، معرفت نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو"۔ عام طور پر رواج تو یہ ہے کہ سوال اہل علم سے کیا جاتا ہے۔ جب سوال اہل علم سے کیا جاتا ہے تو یہاں اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا بلکہ فرمایا گیا اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ وجہ یہ ہے کہ اہل علم خود بھی دھند لکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کبھی اہل علم خود بھی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ لیکن اہل ذکر سے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ اسی لئے فرمایا کہ شک والوں کے پاس جانے کی بجائے یقین والوں کے پاس جایا کرو۔ کیونکہ شک والا صاحب عقل ہوتا ہے اور یقین والا صاحب عشق ہوتا ہے۔ عقل پاؤں سے اٹھنے والی گرد میں گم ہو کر رہ جاتی ہے اور عشق بڑھ کر محبوب کے نقاب کو اٹھا دیتا ہے۔ اسی لئے اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

تو قرآن نے اہل علم کی طرف جانے کی بجائے اہل ذکر کی طرف جانے کی بات کی ہے۔ اس آیت

کریم میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے ایک خود ذکر کا کہ ذکر کیا ہے؟ اہل ذکر کون ہیں؟ اور پھر کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو اہل ذکر کے پاس جایا کرو۔ اب چونکہ یہ قرآنی حکم ہے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ خود قرآن سے سوال کیا جائے کہ تیری نظر میں ذکر کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے۔ **ان نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون** ''بیشک ہم نے ہی اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس ذکر کے محافظ ہیں''(سورۃ الحجر)۔ **انه لذکر لك ولقومك** ''یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے ذکر ہے''(سورۃ زخرف)۔ **ان هو الا ذکری اللعالمین** ''یہ پوری کائنات کے لئے ذکر ہے''(سورۃ انعام)۔

تو گویا قرآن کا فیصلہ یہ ہو گیا کہ قرآن خود ذکر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ ذکر والے یعنی قرآن والے کون ہیں/ جن سے قرآن کی بھی خبر ملے اور حقیقت کی بھی خبر ملے۔ ایک سوال تو ہم نے خود قرآن سے کیا کہ ذکر کیا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب دے دیا کہ ذکر قرآن ہے۔ اب آیت کے معنی کی رو سے ترجمہ یہ ہوا کہ قرآن والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو۔ اب دوسرا سوال کہ اہل قرآن کون ہیں؟ یہ اب اس ہستی سے پوچھتے ہیں جو کہ قرآن لے کر مبعوث ہوئی۔ سوال کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہمیں ہدایت فرما دیجئے کہ قرآن والے کون ہیں؟ محبوب کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ **القرآن مع علی وعلی مع القرآن** ''قرآن علی (رضی اللہ عنہ) سے پیوست ہے اور علی قرآن سے پیوست ہے''۔ یہ حدیث طبرانی میں ہے' حاکم میں ہے' ترمذی میں ہے اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو روایت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس کے راوی ہیں۔

پیوستگی کے معنی ہیں جس میں وقت کا اندیشہ نہ ہو۔ پیوستگی اور معیت اس ساتھ کو کہتے ہیں جس میں جدائی نہ ہو سکے۔ اگر وہ ایک ساتھ جا رہے ہوں تو وہ جدا بھی ہو سکتے ہیں تو ایسا ساتھ چاہے ایسی پیوستگی چاہئے کہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو جائیں کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکے اور یہ اس سے جدا نہ ہو سکے۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آ گئی کہ قرآن علی رضی اللہ عنہ سے پیوست ہے اور علی قرآن سے پیوست ہیں۔ لیکن یہ کہاں سے نکل آیا کہ یہ ہمیشہ پیوست رہیں گے اور کبھی جدا نہ ہوں گے۔ حاکم کائنات ﷺ خود اس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ ''یہ آج سے لے کر قیامت تک اس طرح پیوست رہیں گے کہ حوض کوثر پر بھی آئیں گے تو علی رضی اللہ عنہ اور قرآن اکٹھے آئیں گے''(کنز العمال صفحہ ۶۰۳)' تو محبوب کریم ﷺ کی اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ اہل ذکر کون ہیں؟ ذکر قرآن تھا اور قرآن کے اہل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوئے تو گویا قرآن کی آیت نے یہ کہا کہ اگر کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو علی رضی اللہ عنہ حقیقت شناس ہیں۔ ان سے جا کر پوچھ لیا کرو۔ علی رضی اللہ عنہ کے حقیقت شناس ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم یا حضور ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے دوسرے فرد حقیقت شناس نہیں ہیں۔ ان کو بھی فیضان مصطفوی ﷺ کا حصہ ملا ہے۔ لیکن کسی کو کسی رنگ میں نمایاں کر دیا کسی کو کسی رنگ میں نمایاں کر دیا' کسی کو صدیقیت میں یکتا کر دیا' کسی کو فیضان مصطفیٰ ﷺ نے عدالت و شجاعت میں بے مثال بنا دیا'

کسی کو نظر کرم مصطفیٰ ﷺ نے حیاء اور شرم میں یکتا کر دیا' کسی کو فیضان مصطفوی ﷺ نے ولایت وعلم میں گوہر تاباں بنا دیا۔ ہر کوئی یکتائے بزم مصطفوی ﷺ ہے۔ ہر کوئی دانائے معیت مصطفوی ﷺ ہے لیکن جب علم اور ذکر کی بات ہوتی ہے تو میں واللہ خدا کو گواہ بنا کر یہ لکھ رہا ہوں اس لئے کہ میرے محبوب ﷺ اور محبوب ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ شہادت دی ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی شہادت دی ہے کہ اگر ہم سارے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اکٹھے ہو جائیں تو علم میں علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ یکتا و بے مثل و بے نظیر ہیں۔ اب یہ مقام کیوں ملا؟ اس مقام کی ایک خاص وجہ ہے وہ یہ کہ محبوب کریم ﷺ کی ذات اور قرآن۔ اس کا تعلق یہ ہے کہ اگر قرآن کو ایک وجود مانا جائے تو قرآن کا تعلق یہ ہے کہ قرآن محبوب کریم ﷺ کا نطق ہے یعنی محبوب کریم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے لفظ۔ قرآن مخلوق نہیں ہے۔ قرآن کے لفظ بھی اور قرآن کے معنی بھی دونوں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ لیکن ہم بات کر رہے ہیں صدور اور ظہور کی کہ ہمارے اوپر قرآن کا ظہور کیسے ہوا؟ اگر زبان مصطفوی ﷺ نہ ملتی تو قرآن کے وجود کا ظہور نہ ہوتا۔ اس لئے اس لحاظ سے قرآن نطق مصطفیٰ ﷺ ہے۔ جس کی شہادت بھی قرآن خود دے رہا ہے۔ انہ لقول رسول کریم ''کہ یہ قرآن مجید رسول اکرم ﷺ کی بات ہے'' (التکویر)۔

تو قرآن کیا ہوا نطق مصطفیٰ ﷺ۔ ایک سمت قرآن محبوب کریم ﷺ کی ذات سے پیوست ہے دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ کی ذات نفس مصطفیٰ ﷺ سے پیوست ہے چونکہ خود سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ ساری انسانیت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک مختلف درختوں سے پیدا ہوئی ہے لیکن خدا نے مجھے اور علی رضی اللہ عنہ کو ایک ہی درخت سے پیدا فرمایا ہے (طبرانی)۔ لوگ مختلف درختوں سے آئے تو اللہ نے مجھے اور علی رضی اللہ عنہ کو ایک ہی درخت سے بنایا ہے۔ اب ایک درخت واحد کا کوئی تعلق ہے تو اس لئے کہتے ہیں کہ علی منی و انا من علی ''علی (رضی اللہ عنہ) مجھ سے ہے اور میں علی (رضی اللہ عنہ) سے ہوں''۔ بلکہ بات کو علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر ختم نہ کیا بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی شامل فرمایا۔ الحسن منی و انا من الحسن الحسین منی و انا من الحسین ''حسن و حسین مجھ سے ہیں اور میں حسن و حسین سے ہوں''۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہو یا حسنین کریمین یہ تو حضور ﷺ کی ذات سے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ اصل ہیں اور یہ فرع۔ اگر حضور ﷺ شاخ ہیں تو یہ شاخیں۔ شاخ تنے کے بغیر نہیں ہوا کرتی۔ شاخ تو تنے میں سے ہو سکتی ہے لیکن تنا شاخ میں سے کیسے؟ یعنی علی رضی اللہ عنہ حسنین رضی اللہ عنہم تو حضور ﷺ سے ہیں کہ جز کل سے ہوا کرتی ہے۔ فرع اصل سے ہوتی ہے۔ شاخ تنے سے ہوتی ہے۔ لیکن سید عالم ﷺ صرف اتنا فرمانا چاہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کے کمالات کو دیکھنے والو! کمالات ولایت اور کمالات امامت پر ناز کرنے والو! یہ جو کچھ تمہیں رنگ شان ولایت میں شان حسنیت میں نظر آ رہا ہے یہ شاخوں کا نہیں ہے سارا جلوہ کمالات

مصطفوی ﷺ کا ہے۔ حسنین رضی اللہ عنہم بنائے لا الہ الا اللہ علی اور حسین مجھ سے ہیں کہ علی اور حسین میں جو رنگ نظر آ رہا ہے وہ میرا ظہور ہے۔ ان کے کمالات مجھ سے ہیں۔ ان کے کمالات کا اصل انکے کمالات کا سر چشمہ ان کے کمالات کا منبع میں ہوں اور میرے کمالات کا مظہر وہ ہیں۔ یعنی مجھے دیکھنا ہو تو ان کے کمال سے دیکھو اور انہیں دیکھنا ہو تو مجھے دیکھو۔

اس طرح ایک اور موقع پر جب حضور ﷺ نے مہاجرین وانصار کو بھائی بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا لیکن مجھے کسی کے ساتھ بھائی نہیں بنایا حضور ﷺ نے فرمایا۔ اخا الله بيتي و بينك فى الدنيا و الاخرة "اے علی (رضی اللہ عنہ) سن کہ خدا نے مجھے اور تجھے دنیا اور آخرت میں بھائی بنا دیا ہے"۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے قرآن کو سات مختلف قراتوں پر نازل کیا اور ہر ہر قرأت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر ہر حروف کا ایک ظاہر معنی ہے اور ایک باطن معنی ہے (تاریخ الخلفاء سیوطی)۔

اور فرماتے ہیں کہ اے صحابہ رضی اللہ عنہم بتادوں۔ حضور ﷺ کے صحابہ میں ایک ہستی ایسی بھی ہے کہ جس کے دامن میں قدرت نے ظاہر قرآن بھی جمع کر دیا اور باطن قرآن بھی جمع کر دیا اور جو قرآن کے ظاہر و باطن دونوں کو سمیٹے ہوئے ہے اور وہ علی رضی اللہ عنہ شیر خدا ہے۔ پھر اس کی نسبت کیوں نہ کہا جائے۔ قرآن والے سے پوچھو جو قرآن کے ظاہر سے بھی باخبر ہے اور قرآن کے باطن سے بھی باخبر ہے۔ یہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا نہ تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ کو خود بھی اس مقام و منصب کا شعور تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "مجھ سے خدا کی کتاب قرآن کے بارے میں پوچھو۔ خدا کی قسم کوئی آیت آج تک ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے خبر نہ ہو کہ وہ رات کی کس گھڑی میں اتری ہے یا دن کے کس حصے میں اتری ہے (ج المطالب صفحہ نمبر ۱۴۳)۔

قرآن کے بارے میں اتنی باخبری۔ یونہی تو امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان نہیں فرمایا۔ وہ کہتے ہیں صرف قرآن کی تین سو آیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اتریں۔ مزید کہتے ہیں کہ جتنی آیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت اتری اتنی کسی اور صحابی کی بابت نہیں اتریں کیونکہ یہ اہل ذکر تھے۔ یہ قرآن والے تھے۔ تو پتہ چلا کہ اہل ذکر اسے کہتے ہیں جو قرآن کے ظاہر و باطن دونوں سے آگاہ ہو۔ ایک ایک آیت اس کے دل میں کندہ ہو چکی ہو۔

اسلام اور ایمان و عشق ان کے دل میں گھر کر چکا ہو۔ کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله کے دل میں اتر چکا ہو اور وہ ہر شے کی حقیقت سے آشنا ہو۔ اس لئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے علی (رضی اللہ عنہ) آنکھیں بند کر او ر اپنے دل میں لا اله الا الله محمد رسول الله کا ذکر سن"۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منبع ولایت اور سر چشمہ ولایت تھے اس لئے یہ نور اور ذکر سینہ بہ سینہ اور پشت در پشت اب

تک آرہا ہے اور قیامت تک اولیاء اللہ کے ذریعے منتقل ہوتا چلا جائے گا۔

اے صاحب قرآن انہیں آئینہ دکھا دے
جن لوگوں نے ظاہر کو سمجھ رکھا ہے اسلام

تعمیر شخصیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے محبوب کریم ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

☆ معرفت میرا راس المال ہے' عقل میرے دین کی اصل ہے' محبت میری بنیاد ہے' شوق میرا مرکب (سواری) ہے' ذکر الٰہی میرا انیس ہے' اعتماد میرا خزانہ ہے' غم میرا رفیق ہے' علم میرا ہتھیار ہے' صبر میرا لباس ہے' رضا میرا مال غنیمت ہے' عجز میرا فخر ہے' زہد میں پیش ہے' یقین میری قوت ہے' صدمہ میرا حامی ہے وسفارشی ہے' اطاعت میری کفایت کرنے والی ہے' جہاد میرا خلق ہے' میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث شخصیت کے ارتقاء کے لئے بہت وسیع رہنمائی عطا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے معرفت کو اپنا راس المال' عقل کو دین کی اصل' محبت کو اپنی بنیاد اور شوق کو اپنی سواری قرار دیا ہے۔ عقل کو دین کی اصل اس لئے قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ''کیا لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں''۔ گویا دین کے لئے انسانی تدبر و تفکر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے ذکر الٰہی کو اپنا انیس قرار یعنی اللہ کے ذکر سے بڑی نسبت پیدا ہوتی اور جو ذکر الٰہی کرتا ہے وہ تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرب پاتا ہے۔ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں''۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں''۔ اسی طرح جان کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے''۔

تعمیر شخصیت کے بنیادی عناصر دراصل یہی ہیں جو سرکار دو عالم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اعتماد میرا خزانہ ہے' غم میرا رفیق ہے اور علم میرا ہتھیار ہے''۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت پر عمل کرنا چھوڑ گئے ہیں اور دنیاوی آسائشوں کو اپنا مطمع نظر بنالیا ہے۔ عصر حاضر میں مال و دولت' سونا چاندی اور ڈالروں کو خزانہ سمجھا جاتا ہے بلکہ جس کے پاس یہ سامان نہ ہو اسے معاشرے میں عزت نہیں دی جاتی جبکہ نبی کریم ﷺ نے اعتماد کو اپنا خزانہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ غم میرا رفیق ہے۔ معاشرے کی اصلاح و بہبود اور دعوت اشاعت کے لئے غمگین رہتے تھے اور دعائیں

مانگتے تھے جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں اپنے مسائل کے علاوہ کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ہمیں صرف اپنا غم عزیز رہتا ہے اور ہم صرف اپنے مفاد کے لئے سوچتے ہیں اور ہم اس حدیث کی پاسداری نہیں کرتے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے جبکہ پڑوس میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو'' (عن ابن عباس بیہقی)۔

تعمیر شخصیت کا اگلا عنصر ''علم'' بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''علم میرا ہتھیار ہے''۔ علم کی وضاحت سے قبل ذرا غور فرمائیں کہ ہمارے نزدیک ہتھیار کا مفہوم کیا لیا گیا ہے؟ ہم ایٹم' میزائل اور کلاشنکوف کو ہتھیار کہتے ہیں اور پوری دنیا میں ان ہتھیاروں کے حصول کی دوڑ میں شریک ہے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی ہے۔ لیکن میرے پیارے آقا ﷺ نے علم کو مسلمان کا ہتھیار قرار دیا ہے۔ یعنی مسلمان کی اصل قوت اور طاقت علم ہے اسی لئے فرمایا کہ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے''۔

علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص نعمت ہے۔ علم اپنی ذات اور اللہ کریم کی ذات کو پہچاننے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اسے ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم قرار دیا ہے اور علم بھی ایسا جو نفع دینے والا ہو۔ آپ ﷺ نے علم نافع کے لئے دعا فرمائی۔ علم کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس پر عمل بھی کرے۔ عمل کے بغیر علم وبال جان بن جاتا ہے اور آخر میں رسوائی کا سبب بنتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں نے شب معراج میں ایک جماعت کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ جہنم کی آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ''یہ امت کے واعظ لوگ ہیں جو صرف دوسروں کو نصیحت کرتے تھے''

تعمیر شخصیت کے حوالے سے آپ ﷺ نے ایک عنصر صبر بتایا ہے۔ فرمایا ''صبر میرا لباس ہے''۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کسی بات پر غضب اور غصے کا شکار ہو جاتا ہے لیکن صبر کرنا افضل ہے۔ داناؤں کا قول ہے۔ جس شخص نے حلم کا درخت بویا اس نے سلامتی کا پھل پایا۔ کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ جنت میں فرشتے جب مومنین کے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہے تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''کسی شخص کو کوئی ایسی عطا نہیں کی گئی جو صبر سے زیادہ بہتر اور کارآمد ہو''۔ آپ ﷺ نے صبر کو اپنا لباس اس لئے فرمایا کہ صبر انسان کو پختگی اور مضبوطی عطا کرتا ہے' اپنے جذبات قابو میں رکھنا صبر ہے۔ اشتعال انگیزی کے موقعوں پر مشتعل نہ ہونا صبر ہے اور حالات چاہے جتنے ہی مشکل ہوں راہ راست پر ڈٹے رہنا صبر ہے اور ایک مشہور قول ہے کہ عقل مند آدمی کی پہچان حالت غصہ میں ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں انسان اپنے مال و اسباب پر فخر کرتا ہے اور غرور اور گھمنڈ کا اظہار کرتا ہے جس کے باعث وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے جبکہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ''رضا میرا مال غنیمت اور عجز میرا فخر

ہے''۔ یعنی حضور اکرام ﷺ بہت ہی تھوڑے پر بہت راضی رہتے تھے اور ان کے نزدیک اگر کوئی چیز قابل فخر ہے تو وہ عجز اور انکساری ہے۔

شخصیت کی تعمیر کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''زہد میرا پیشہ ہے''۔ آپ ﷺ نے زہد و تقوی کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ انسان اپنے پیسے کے ذریعے مال کماتا ہے' ساری زندگی اپنے پیسے سے وابستہ رہتا ہے اور دن بدن اس پیشے میں بہتری لانے کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ وہ پیشہ کہیں کاروبار کی صورت میں ہوتا ہے کہیں ملازمت کی صورت میں۔ کوئی وکیل ہے کوئی تاجر ہے اور کوئی صحافی ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا پیشہ ہے لیکن میرے نبی محترم ﷺ نے اپنا پیشہ ''زہد'' بیان فرمایا ہے یعنی نیکی اور تقوی کے لئے آپ ﷺ اپنے پیشے کی طرح محنت کرتے تھے اور جس طرح انسان اپنے پیشے کے لئے پریشان رہتا ہے آپ ﷺ تقویٰ حاصل کرنے کے لئے پریشان رہتے تھے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم جس طرح معاشی ترقی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اسی طرح تقویٰ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں اور حقیقت بھی ہے کہ اصل مال و دولت تو تقویٰ ہے جس نے روز آخرت کام آنا ہے۔ باقی سب دنیاوی ساز و سامان ہے جس نے دنیا میں ہی رہ جانا ہے۔

آپ ﷺ نے شخصیت کا جو منشور بیان کیا ہے اس میں فرمایا۔ ''یقین میری قوت ہے اور صدقہ میرا حامی و سفارشی ہے''۔ آپ ﷺ نے اپنی قوت ''یقین'' کو قرار دیا۔ دوسرے معنوں میں آپ ﷺ شکوک و شبہات کو ناپسند کرتے تھے۔ صدقہ کو اپنا حامی و سفارشی خیال کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بندوں پر کسی دن اس کے بغیر صبح نہیں ہوتی کہ دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ (اپنے راستے میں) خرچ کرنے والے کے مال میں اضافہ فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ مال کو اپنی راہ میں نہ خرچ کرنے والے کا مال برباد ہو''۔

اسی طرح قیامت کے دن پوچھے جانے والے پانچ سوالات میں یہ پوچھا جائے گا کہ' مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟'' اور وہی مال آخرت میں حامی و سفارشی ہوگا جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے گا لہذا ہمیں اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہئے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال ایسے سیونگ اکاؤنٹ کی مانند ہے جو جزا کے طور پر کئی گنا بڑھا کر لوٹا دیا جائے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا'' اطاعت میری کفالت کرنے والی ہے''۔ اطاعت الٰہی ہر مسلمان پر لازم ہے اور آخرت میں وہی کامیاب ہوگا جو اللہ کی اطاعت کرتا ہوگا۔ فرمایا'' جہاد میرا خلق ہے'' جہاد کو اپنا راستہ قرار دیا۔ جہاد کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' جو شخص اس حالت میں مرا کہ زندگی میں کبھی جہاد کی خواہش نہ کی تو ایسا آدمی نفاق کی حالت میں مرا'۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ'' میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے''۔ نماز کے بارے میں یوم حساب پہلا سوال ہوگا۔ نماز ہی مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے۔ رسول رحمت ﷺ نے مذکورہ حدیث میں تعمیر شخصیت کے تمام بنیادی عناصر واضح کر دیئے ہیں ان پر عمل کرنے کی صورت میں انسان کی شخصیت تعمیر ہو سکتی ہے اور وہ معاشرے میں اعلیٰ

مقام حاصل کرسکتا ہے۔

ولایت ہی ہدایت ہے

العلم والکفر یجتمع والولایت والکفر لا یجتمع ''علم اور کفر اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ولایت اور کفر اکٹھے نہیں ہو سکتے'' یعنی عالم کے لئے خدشہ ہے کہ کافر ہو سکتا ہے لیکن ولی کے لئے خدشہ نہیں کہ کافر ہو جائے۔

قارئین کرام! عالم کے لئے کافر ہونے کا خدشہ کیوں ہے حالانکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ عالم کا سونا جہل کی عبادت سے افضل ہے اور فرمان الٰہی ہے کہ اللہ کا خوف تو صرف اس کے علم ہی میں ہوتا ہے۔ تو سب کچھ برحق ہے لیکن یہ فرمان بھی برحق ہے کہ عالم کے کافر ہونے کا خدشہ ہے یہ اس لئے کہ علم ایک راستہ ہے جس کی منزل ولایت الٰہی ہے اور شیطان نے چونکہ قسم اٹھائی ہے۔ اس لئے وہ اسی در پے رہتا ہے کہ منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی اس کو گمراہ کردوں۔ یہی وجہ ہے کہ علم ظاہر کی تکمیل کے بعد اکثر علما نے اپنی منزل یعنی ولایت الٰہی کے حصول کے لئے اولیائے کاملین کا رخ اختیار کیا اور لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کے مصداق بن کر علما ربانین کا خطاب پایا۔ ورنہ العلم حجاب الاکبر کے مصداق ہو کر کچھ مغضوب ہو گئے اور کچھ ضالین ہو کر ایسے بھٹکے کہ کبھی ساحل عافیت تک نہ پہنچ سکے چونکہ منزل تک پہنچنے کے لئے صاحب علم طالب مولا کو ایسے راہبر و پیشوا کی ضرورت ہے جو کشتی کے ایسے ملاح کی مثل ہو جو ہر بلا اور ہر طوفان سے صرف واقف ہی نہ ہو بلکہ مقابلہ کی صلاحیت بھی رکھتا ہو ورنہ کشتی میں موجود تمام مسافر منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی غرق و تباہ ہو جائیں گے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کو وقت موت شیطان سے مرشد پاک ہی نے بچایا ورنہ حالت کفر میں موت آتی۔

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے صرف اولیاء کاملین کی صحبت ہی اختیار نہ کی بلکہ اپنے مرشد کی اتباع میں اپنے ہی پڑھے ہوئے علوم ظواہر کی بھی نفی کر ڈالی عقل کے تمام قافلوں کو تباہ کیا تب کہیں جا کر منزل مقصود یعنی ولایت الٰہی کا اعلیٰ مقام پایا۔ جیسا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا روم کے بازار سے شراب کی بوتلیں خریدنا۔ حضرت سید بلھے شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ناچنا۔

حقیقتاً یہ ان حضرات پر امتحان صدق تھا آیا کہ منزل پر پہنچنے کا صدق بھی ہے یا عزت نفس۔ جس کے بارے فرمایا گیا لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اس کے لئے فرمایا گیا ہے کہ '' بے شک (اے شیطان) تو میرے بندوں پر غالب کبھی نہیں ہو سکتا''۔

قارئین کرام! ولایت الٰہی کی منازل طے کرنے کے بعد انسان شیطان خطرات سے مبرا کیوں ہو جاتا ہے تو یہ اس لئے کہ ولایت الٰہی ابن آدم علیہ السلام کی وہ منزل حقیقی ہے کہ جس میں مخلوق کا قطعی طور پر کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ انسان خلق کے تمام عوالم سے نکل کر خالق کے عالم قرب میں فنائی ذات ہو کر صاحب حضور ہو جاتا ہے کیونکہ ولی اولی سے ہے اور اولی بمعنی مقرب کے ہیں یعنی ولی اللہ کے معنی ہیں ہمیشہ اللہ

پاک کے قرب میں رہنے والا اور قرب اللہ میں رہ رہ کر اس کی کیفیت اس لکڑی کی سی ہو جاتی ہے جو آگ کے قریب میں اپنی ہستی کو ملیست و نابود کر کے آگ کے ساتھ آگ ہو جاتی ہے اور آدم علیہ السلام کے اس مقام ولایت کو ان الفاظ کے ساتھ حدیث قدسی میں بتایا گیا ہے کہ میرا مقرب میرے قرب میں رہ رہ کر میرا ایسا محبوب بن جاتا ہے کہ اس کا سننا اس کا دیکھنا اس کا پکڑنا اس کا چلنا اس کا بولنا اس کا سوچنا دراصل میرا ہی سننا دیکھنا پکڑنا چلنا بولنا اور سوچنا ہو جاتا ہے۔ اسی مقام کو مقام ولایت کہا گیا ہے کہ اور یہ وہ مقام لاتحف ہے کہ جہاں شیطان کو انسان سے خوف آتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ جس گلی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرتے شیطان اس گلی کو چھوڑ دیتا ہے۔

میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ستاروں کی مثل ہیں تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت یعنی ولایت الٰہی کو پاؤ گے۔ قارئین کرام! یہ ہے اس حدیث پاک کا مختصرا مفہوم کہ علم اور کفرا کٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ولایت اور کفرا کٹھے نہیں ہو سکتے۔ محترم قارئین کرام! دور حاضر کا تو معاملہ ہی کچھ الٹ ہے۔ بقوم علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اس دور میں عالم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ضــرب یضــرب کی گردانیں پڑھ کر عربی زبان سے واقف ہو اور عربی عبارات کو سمجھ جائے۔ صرف فقہی مسائل سے آگاہ ہو بس۔ دوستو! یہ سب کچھ اپنے تک درست ہے ضروری ہے۔ یہ تو سلیقہ حیات ہے جو میرے آقا ﷺ نے مقربین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ یہ علم تو فرض کفایہ ہے۔ یعنی ہر آدمی کا مسائل فقہ پر عبور حاصل کرنا فرض نہیں بلکہ ہر شہر یا علاقہ میں ایک آدمی ایسا ہو جو باقیوں کو میرے محبوب ﷺ کا طریقہ سکھائے۔ لیکن وہ علم کہ جس کے بارے میں میرے پیارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ "علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے"۔ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ العلم وصــالـہ یعنی وہ علم جو ہر مسلمان پر فرض عین ہے اس سے مراد وہ علم ہے جس کی انتہاء و منزل اللہ تعالیٰ کی ولایت ہے اور وصال ہے بس معلوم ہونا چاہئے کہ اس علم کے بغیر زندگی موت اور علم (ظاہری علم) جہالت ہے اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس کی گردن میں کسی مرشد کامل کی بیعت کا طوق نہ تھا۔ وہ شخص جاہل ہو کر مرا تو اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ علم وصال کسی استاد مرشد کامل کی تربیت کے بغیر نامکمل ہے بلکہ حدیث پاک میں ہے کہ جس کا مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے۔ تو حضرات گرامی یہاں وراثت والی پیری مریدی مراد نہیں کہ باپ پیر ہے تو بیٹا بھی پیر ہے اور باپ انہی کا مرید تھا تو بیٹا بھی انہی کا مرید ہو گیا ہے۔ بلکہ ایسا مرشد پاک ہونا چاہئے جو امانت الٰہیہ کا حامل ہو اور عالم لاہوت یعنی عالم خالق کا منبع ہو اور انبیاء کا حقیقی معنوں میں وارث ہو حضور ﷺ کی حضوری

کا محرم ہو۔ ایسے مرشد کامل مکمل سے تلقین لینا فرض عین ہے علاوہ ازیں کوئی کتنی ہی بڑی گدی یا گدی نشین ہو اگر ان صفات سے متصف نہ ہو تو اس کی بیعت حرام کا درجہ رکھتی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مرشد کامل جس سے تمہیں ولایت الٰہی کا علم حاصل ہو اگر ہزاروں میل دور ہی ملے تو بھی تلاش کرو۔ چاہے کوئی عام ہے یا خاص چاہے کوئی عالم ہے یا جاہل' پیر ہے یا مرید اگر اولاد آدم کہلاتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہئے بلکہ افسوس ہے ان اہل دعویٰ نفس ملیمہ کے قیدی عالم پیروت کے واقف کا ادھورے پیروں پر جو لوح محفوظ پر ماہ تا ماہی کی ہر چیز تو دیکھ سکتے ہیں مگر اپنے دل کی تختی جس کو لوح اکبر کہا گیا ہے۔ لکھی اپنے مالک کا اسم نہ دیکھا نہ پڑھا اور خلق میں اپنی کرامات کا نمونا کر کے مرشدی کے اس اعلیٰ مقام کا دعویٰ کرتے ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یدالله فوق ایدیهم ''ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔ کاش کہ کتابیں لکھ لکھ کر مکان کو بھر لینے کی بجائے ایک اسم محبوب کہ جس کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں کو کسی صاحب مسمیٰ مرشد اکمل سے حاصل کر کے اپنے دل پر لکھ لیتے بقول پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔

صد کتاب و صد ورق در نار کنا
روئے دل راہ طالب دلدار کنا

''سیکڑوں کتابوں اور سیکڑوں اوراق آگ میں ڈال اور اپنے دل کا منہ دلدار کی طرف کر لے''۔

پس یاد رہے کہ بے ولایت عالم اس دیئے کی مثل ہے جس میں تیل نہیں اور بے ہدایت پیر ایسے سیپ کی مثل ہے جس میں موتی نہیں۔

جعلی پیر اور اصل پیر

اگر آج وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے تو امت مسلمہ کو ایک قیادت کی ضرورت ہے جو ہر لحاظ سے الشیخ فی قومه کا النبی فی امته ''مرشد اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے'' کی مصداق ہو اور وہ ہستی۔ ال م کے مقام پر فائز ہستی ہو جس کی ایک ایک ادا ایسے ہو جیسے حضور ﷺ کی ایک ایک ادا کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک زندہ تاریخ بنا کر بتایا۔ اس کی بھی ایک ایک ادا دنیا میں تو ایک زندہ اور مستند تاریخ کی حیثیت رکھتی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا مرکز بھی اس ہستی اکمل کا چہرہ ہو۔ جس کے بارے میں رحمت کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من نظر الیه فکانما ینظر الی الله ''جس نے ان کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا'' کیونکہ وہ مرشد اکمل ہستی اللہ تعالیٰ کا شیشہ ہوتا ہے اور اس کے چہرے پر یعنی اللہ تعالیٰ کے اس شیشے میں تجلی بھی اللہ تعالیٰ کی ظاہر ہو چکی ہوتی ہے جس کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہے۔ ہمیں ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو فقر محمدی ﷺ بسوز صدیق چشم عمر' علم حیدر' فقر فاطمہ (خاتون جنت) صبر حسین' سیف خالد' عشق بلال' الفقر لسان پیر دستگیر جیسے اوصاف و

کمالات کی حامل ہو وہ ہستی اگر اس دور میں اس قوم کی کشتی کو چلائے تو کسی کنارے کی امید رکھی جاسکتی ہے ورنہ عام حالات جو کہ پہلے چلتے رہے ہیں یا چل رہے اس حالات میں کشتی کو بھنور سے نکالنا نہ تو عام کسی پیر کا کام ہے نہ کسی عالم کا نہ کسی دوسرے راہنما کا کشتی کو بھنور سے نکال لانے کے لئے وہی ہستی تلاش کرنی پڑے گی کیونکہ ہمیں اپنے آقا کی وما ینطق عن الھوی کی زبان پر اعتماد کامل ایمان مکمل اور یقین اکمل ہے کہ دنیا میں کوئی دیوار بھی ایسی نہیں بچے گی جس پر اللہ تعالیٰ کے دین کا پرچم نہ لہرار ہا ہو۔

معزز قارئین کرام! اگر ہم آج دیکھیں کہ کہیں ایسا کوئی چہرہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات اظھرا من الشمس ہوں جس کے اوپر فرادہ الزی یعقل بھا کا دعویٰ کیا جاسکے جس کے ہاتھوں کو یدہ التی یطش بھا کا مصداق ٹھہرایا جاسکے۔ جس کے کانوں کو سمعه الذی یسمع بھا کا حامل قرار دیا جاسکے جس کی زبان کو لسانہ التی یتکلمبھا کی زبان کہنا گوارہ کیا جاسکے جس کے پاؤں کو رحلة التی یمشی بھا کے پاؤں تسلیم کیا جاسکے۔

میرے مسلمان دوستو' بھائیوں' بزرگو! آج ہم اگر ایک نگاہ اٹھا کر بھی مشائخ کی طرف دیکھیں تو ہماری نگاہ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات کے مطابق اتنی نیچی ہو جاتی ہے کہ پھر راستے کو دیکھ کر چلنا بھی محال ہو جاتا ہے۔ دور حاضر کے مشائخ کے بارے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''یہ مسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہودی''۔ عصر حاضر کے جو مشائخ ہیں انہوں نے ایک پاک اور لطیف شعبہ جو کہ اسلام کی بنیاد ہے جسے ہر دور میں مضبوط رکھنا ضروری تھا اور ہے اور ہو گا وہ تھا تصوف اور روحانیت کا شعبہ۔ اس کو انہوں نے اتنا ضعیف کر دیا ہے کہ اب اس کا تصور ہی تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی پاکی کو اتنی غلاظتوں میں ڈال دیا ہے کہ اب منشیات کے بڑے اڈے بھی درگاہوں اور خانقاہوں کو سمجھا جاتا ہے اور اس لطیف شعبے کو اتنی بے چینی اور بے سکونی میں ڈال دیا ہے۔ لوگ اس میں آ کر بھی ہنیم' چرس بالخصوص سبز پانی یعنی بھنگ تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اب مشائخ اپنے آپ کو معالج شعبدے باز اور شیطانی عملیات پر کامل' مکمل اور اکمل ظاہر کر رہے ہیں۔ معالج شعبدے باز اور شیطانی عملیات پر عبور سے کیا مراد ہے۔ جب کہ مندرجہ بالا سے کوئی بھی چیز پیر یا مرشد میں نہیں ہونی چاہئے۔ اگر ہو تو جان لیں وہ مرشد ناقص و ناکمل اور راہزن ہے۔

معالج

اب جو مرشدوں نے اپنا کام بنایا ہوا ہے یعنی معالج جو بنے ہوئے ہیں اتنے تھرڈ کلاس اور گھٹیا معالج بنے ہیں کہ سن کر بھی شرم کے طوطے مر جائیں یعنی ایک مرید آتا ہے پیر کے پاس کہ پیر صاحب میری گائے دودھ نہیں دیتی۔ آپ دعا کریں یا توجہ کریں تا کہ میری گائے دودھ دینے لگ جائے تو پیر صاحب نے اپنی پیری کا ڈھنڈورا پھیلانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز دم کر کے دیتے ہیں تا کہ یہ گائے دودھ دینے لگ جائے ایک اور مرید آتا ہے کہتا ہے کہ پیر صاحب میری بھینس کو حمل نہیں ٹھہرتا آپ مہربانی کریں تا کہ میری بھینس

کو حمل ٹھہر جائے تو پیر صاحب اپنی پیری کا لوہا منوانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز دم کر دیتے ہیں تا کہ اس کی بھینس کو حمل ٹھہر جائے۔ ایک اور مرید آتا ہے پیر صاحب میری بکری کے بچے مر جاتے ہیں آپ کوئی چیز دیں تا کہ میری بکری کے بچے نہ مریں تو پیر صاحب اپنی پیری کی دھاک بٹھانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز دم کر دیتے ہیں تا کہ اس بکری کے بچے نہ مریں۔ ایک اور مرید آتا ہے کہ پیر صاحب میری مرغی انڈے نہیں دیتی کوئی چیز دم کر دیں تا کہ میری مرغی انڈے دینے لگ جائے تو پیر صاحب اپنی پیری کو مزید اوج ثریا پر لیجانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز دم کر دیتے ہیں تا کہ یہ مرغی انڈے دینے لگ جائے۔ ایک اور چیلا آ جاتا ہے کہ پیر صاحب میرا بٹیر صحیح نہیں لڑتا کوئی چیز دم کر دیں تا کہ میرا بٹیر صحیح لڑے تو پیر صاحب اپنی پیری کو چار چاند لگانے کے لئے اسے کوئی چیز دم کر دیتے ہیں تا کہ اس کا بٹیر صحیح لڑنے لگ جائے تو اب یہ تمام عمل ہو گئے تو مرید بڑے اکڑ کر چلیں گے اور اپنے پیر کی پیری کو چمکانے کے لئے وہ پورے علاقے کو ایسی باتیں بھی بتائیں گے کہ میری گائے دودھ نہیں دیتی تھی یا میری بھینس کو حمل نہیں ٹھہرتا تھا یا میری بکری کے بچے مر جاتے تھے میری مرغی انڈے نہیں دیتی تھی یا میرا بٹیر نہیں لڑتا تھا۔ میں نے اپنے پیر صاحب سے دم کروایا تھا تو اب ہر چیز ٹھیک ہے سینہ تان کر اور ترّیاں لگا لگا کر بتاتے ہیں جیسے ان کے پیر صاحب نے چاند توڑ کر ان کو تحفے میں دے دیا ہو۔

معزز قارئین کرام! آپ ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ کیا پیر کا کام گائے کا دودھ نکلوانا یا بھینس کو حمل ٹھہرانا یا مرغیوں سے انڈے لینا رہ گیا ہے کہ کیا پیروں کا کام اتنا گھٹیا ہے۔ حالانکہ ہماری جان اور ایمان کے مالک محبوب خداوند تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ "میری امت میں جو مرشد ہوں گے وہ ایسے ہوں گے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے" تو کیا اب کام رہ گیا ہے مرشد کا کہ وہ دو نمبر معالج بن کر پھرتا ہے' نہیں انہیں! یہ کام مرشد کا نہیں ہے۔

<u>شعبدے باز</u>

یہ دوسرا کام ہے جو لوگ اپنا کر اپنی روزی کما رہے ہیں اور اسلام کی روح پر زخم لگا دینے والے حملے کر رہے ہیں۔ اسلامی طور طریقوں سے بھی امت مسلمہ کو محروم کر کے کھلی گمراہی میں ڈال کر ان ۷۲ گروہوں میں شامل کرنے کے خواہاں بن چکے ہیں کہ جن کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے ۷۱ فرقے تھے جن میں ایک نجات والا تھا باقی ستر گمراہ ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ۷۲ فرقے تھے جن میں ایک نجات والا تھا اور باقی ۷۱ گمراہ ہو گئے۔ فرمایا کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے جن میں ایک نجات والا ہو گا اور باقی ۷۲ فرقے گمراہ ہوں گے"۔

یہ لوگ پیری کا روپ دھار کر لوگوں کو صراط مستقیم سے روک رہے ہیں حالانکہ حقیقی معنوں میں مرشد کا کام بھی صراط مستقیم پر چلنا اور چلانا ہے کیونکہ مرشد خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا حامل ہوتا ہے۔

اس کا ہر قول اور ہر فعل اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ میرا قول اور فعل ہوتا ہے اگر دیکھا جائے تو پہلے جو اللہ کے خلیفے (نائب) تھے وہ انبیاء کرام علیہم السلام تھے اور جب آخری نبی ﷺ ہمارے نبی پیارے نبی ﷺ ایسے نبی جو اپنی پیدائش سے لاکھوں سال پہلے بھی نبی تھے جو اللہ تعالیٰ کی نیابت کے حامل رہے ہیں اور اب بھی ہیں مرشد کی جو تعریف قرآن سے ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ''مرشد تمام تر پلیدیوں سے اور ناپاکیوں سے نکال کر بحر معرفت میں ڈال دے جہاں پر مرید اللہ تعالیٰ کے انوار تجلیات کا بلا حجاب مشاہدہ کرتا ہے'' لیکن شعبدے باز پیر اس کام سے روکتے پھر رہے ہیں اور پیسوں کے بھاؤ اپنی پیری کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی سے ہمکنار کرنے کے لئے اسی طرف گامزن کر دیتے ہیں کہ پیسے دو اور خلافت لو۔ جن کو یہ پتہ ہی نہیں کہ مرشد کیا ہے؟ اور مرید کیا ہے؟ اپنے آپ کو مرشد اعظم کہلواتے پھر رہے ہیں اور اپنے کرتب کا مظاہرہ کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر تیزاب پھینک کر مسلسل مسخ کر رہے ہیں۔ مثلاً کئی پیر یہ کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کرو تمہیں مدینہ نظر آئے گا' تمہیں خدا نظر آئے گا' تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے' تم فلاں مقام تک پہنچ جاؤ گے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا وہ صرف یہ تاثر دے رہے ہوتے ہیں کہ ہم اتنے بڑے پیر ہیں۔ اگر کوئی مرید یہ کہہ دے کہ پیر صاحب مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا تو فقط یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ تمہارا وضو ٹھیک نہیں تھا یا تمہارا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے اور کئی لوگ اور طریقے بھی اپناتے ہیں۔ یعنی کوئی مرید بے چارہ جو تبخیر کا مریض ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس پر جنات کا سایہ ہے اور اس غریب کی پٹائی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک اور طریقہ یہ بھی اپنی پیری بڑھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ مرید کو حکم ہوتا ہے کہ تم فلاں وظیفہ کرو تمہارے پاس اتنے پیسے آئیں گے۔ یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ بندہ تو پہلے ہی دنیا میں اتنا غرق ہے کہ ان مرشدوں کے پاس آتا ہے کہ اس اللہ کی ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔ مرشد الٹا اس کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ وہ دور ہی دور ہو جاتا ہے۔ آخر ایک دن وہ آ جاتا ہے جب وہ پیروں کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شعبدے بازی کی پیری کے متعلق حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اگر ایک آدمی ہوا میں اڑ رہا ہے کہ میں پیر ہوں تو جان لو کہ وہ پیر نہیں ہے' وہ مکھی ہے جو ہوا میں اڑ رہی ہے اور وہ راہزن ہے اگر ایک آدمی سمندر کی سطح پر مصلہ بچھا کر نماز پڑھ رہا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں پیر ہوں تو جان لو کہ وہ پیر نہیں وہ تنکا ہے جو پانی کی سطح پر قائم ہے۔ اگر ایک آدمی آگ کھا رہا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں پیر ہوں وہ مٹی کا بنا ہوا تنور ہے جو اپنے پیٹ میں آگ کو لئے ہوئے ہے۔ وہ راہزن ہے بلکہ پیر وہ ہے جو اپنے مرید کو بغیر کسی چلہ وظیفہ اور بغیر کسی عبادت وریاضت کے پہلے ہی ساعت میں اس کا ہاتھ جب اپنے ہاتھ میں لے تو اسے موتو قبل ان تموتو اور اذا اتم الفقر فھو اللہ کے مقام پر پہنچا دے''۔ اب ہم پر یہ حقیقت آفتاب کی طرح واضح ہو گئی کہ تمام شعبدے بازیوں سے ہٹ کر اور شعبدے باز مرشد کی بجائے ایسا مرشد تلاش کرنا چاہئے کہ جو اپنی نظر کے ساتھ اپنے مرید کو استقامت عطا فرمائے۔

شیطانی عملیات کے حامل پیر

آئے روز اخبارات کے اندر' دیواروں پر لکھی گئی عبارات سے اور مختلف پمفلٹ اور چھوٹے چھوٹے کتابچوں سے ان جعلی پیروں کی مشہوری ہو رہی ہوتی ہے۔ اشتہار بازی ہو رہی ہوتی ہے۔ صرف ایک رات کے عمل سے ہر مسئلے کا حل' جو چاہو سو پوچھو' سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں' ستاروں کی چال کے ماہر' علم نجوم کے بے تاج بادشاہ' بنگال کا کالا جادو' افریقہ کا کالا جادو' شوہر کو راہ راست پر لانا' چاردن کی چاندنی پھر اندھیری رات' ۵ لاکھ نقد انعام اس عامل کو جو میری عمل کی کاٹ کرے' کالے اور سفلی عمل کی کاٹ کے ماہر جناب عامل نجومی فلاں فلاں' یورپ میں شہرت کے بعد اب آپ کے شہر کے میں۔

ایسے ناقص اور جاہل مرشد جو کہ صرف عملیات کر کے اپنے مریدین سے پیسے بٹور رہے ہیں اور اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں اور دروازے کے باہر ریٹ لسٹ آویزاں کر کے اپنی کمائی کے لئے اپنا بھی اور عوام الناس کا بھی ایمان اپنے پاؤں تلے روندر ہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حاکم کائنات ﷺ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا۔ الشیطان الانسان اشد من الشیطان الجن ''انسان شیطان جن شیطان سے زیادہ سخت ہے'' ۔ مسلمانو! فقط آج ہم یہ سوچیں کہ ہماری اپنی ملت یعنی ملت اسلامیہ کیوں کھلی گمراہی میں جارہی ہے اور لوگ کیوں جوق در جوق سامنے نظر آنے والی گمراہی کی آگ کی طرف کھنچے جارہے ہیں اور بڑھ چڑھ کر اپنے آپ کو سب سے بڑا گمراہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اگر ایک نظر ہم ملکی و بین الاقوامی فرقہ پرستی کی طرف اٹھائیں تو باقی مذاہب کو ہم اگر اس میں ملوث کرنے کی بجائے منتقل کردیں۔ صرف اسلام کے اوپر نظر پھیریں تو بے شمار لوگ بے شمار باتیں اور بے شمار فرقوں کی صورت میں امت مسلمہ میں انگریز کا باقاعدہ منصوبہ بندی سے چلایا گیا مشن بڑا مکمل کر سامنے آتا ہے جو کہ اس نے نجد سے ایک فتنہ کو اپنے ایجنٹ ہمفرے کے ذریعے ہم مسلمانوں کے اندر تحلیل کیا وہ چند نظریات تھے جو اس نے قرآن وحدیث سے سراسر کھلے اختلافات اور اعتراضات بتا کر قوم کو ایک ڈرامہ دکھانے کے لئے بنا دیئے اور کچھ لوگ ایسے بھی پیدا کئے جو بجائے اس کے کہ فرقہ پرستی پر کنٹرول کرتے اور الٹی سیدھی من گھڑت کہانیوں کو علم وقلم وفہم کے ذریعہ ختم کرتے۔ الٹا ہی ملک کو ایک فساد عظیم میں مبتلا کر کے اپنے مقاصد نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور خانقاہوں پر طرح طرح کے جلسے کیے جانے لگے اور اسلامی ثقافت جو کہ قرآن واحادیث نے اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے اس کو مسلسل مجروح سے مجروح تر کیا جانے لگا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ جو لوگ یہ باتیں کرتے ہیں۔ بے شک وہ کھلی گمراہی میں تو ہیں ہی لیکن اس جرم بے پایاں میں وہ لوگ سب سے زیادہ جواب دہ اور ملوث ہیں۔ جن لوگوں نے خانقاہوں کو اور آستانوں کو شدید نقصان اپنے ملنگوں یعنی منشیات کے عادی لوگوں اور بھنگ بکثرت استعمال کرنے والوں کو چارج دے کر پہنچایا اور ان کے ساتھ ساتھ میں اپنی پوری قوم کو اس میں ملوث سمجھوں گا۔ جنہوں نے ایسے ڈبے پیروں کو آگے لا کر یہ تباہی پھیلانے کا موقع دیا اگر آج بھی ہم یہ تہیہ کرلیں کہ ہم نے اپنی فلاح کی طرف

جاتا ہے۔ اپنی منزل یعنی اپنے مقصد حیات کو پاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا۔ فخلقت الخلق لا عرف "میں نے مخلوق کو اپنی پہچان کے لئے پیدا فرمایا ہے" تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر ہم چاہے بعد میں سہی لیکن اس کو بر مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ من طلبنی فقد وجدنی "جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے" من وجدنی فقد عرفنی "جو مجھے پالیتا ہے وہ مجھے پہچان لیتا ہے"۔

لیکن میرے محترم مسلمانو! سچے آقا کے غلام یہ بات کہیں نہیں ہوئی کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پانے کے لئے وسیلہ ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وابتغوا الیہ الوسیلہ "میری طرف وسیلہ تلاش کرو" اور اس وسیلے سے مراد اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ وہ وسیلہ مرشد کامل کی ذات بابرکات ہے لیکن اب ہمارے لئے مسئلہ یہ ہے کہ ہم وہ مرشد کیسے تلاش کریں جب کہ ایک اٹھائیں تو نیا پیر یا مرشد نکل آتا ہے۔ مرشد کی کیا نشانی ہے؟ اور مرشد کیا کرتا ہے؟ مرید کو کیسے یقین ہوسکتا ہے کہ یہ مرشد کامل یا اکمل یا مکمل ہستی ہے؟ تو میرے دوستو آؤ! آج ہم اس بات کو مالک کی توفیق سے معلوم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ولکن یسعنی فی قلب عبد المومن "میں اگر سماتا ہوں تو مومن کامل کے دل میں سماتا ہوں"۔ اس حدیث قدسی سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اگر ہمیں مل سکتی ہے تو فقط اور فقط مرشد کامل کی بارگاہ سے ہی مل سکتی ہے۔ کیونکہ مرشد کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور اس طرح بھر جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک بال، جسم کے ہر ایک حصہ پر اللہ تعالیٰ کا نور چمک رہا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے بندے کے دل مین سماتا ہوں تو پورے وجود کو جو خون مہیا کر رہا ہے وہ بھی دل ہے۔ جب دل میں اللہ کا نور آ جائے تو دل وہی خون پورے وجود کے اندر چلاتا ہے تو وہ نور اس طرح پورے وجود میں پھیل جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ان فی الجسد مضغة صلحت صلح الجسد كله فسدت فسد الجسد كله "کہ تمہارے وجود میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا وجود ٹھیک ہے اگر اس میں خرابی ہے تو پورے وجود میں خرابی ہوگی تو جان لو وہ دل ہے"۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ الله نور السموت والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح۔ "کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اس کے نور کی مثال ایک برتن کی ہے جس میں ایک چراغ ہے"۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری کے اندر مشکوۃ یعنی برتن اور مصباح یعنی چراغ کی تفسیر کرتے ہوئے عبارت کچھ اس طرح درج کی ہے۔ المشكوة حنئذ مثال القلب المومن والمصباح شبيه يتجلى قلب المومن "مشکوۃ (برتن) سے مراد مومن کامل کا دل ہے اور مصباح (چراغ) سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات سے جو تجلی یا انوار یا عکس میں اس کی ذات نور علی نور موجود ہوتی ہے وہ ہے"۔ تو اب ان عبارات سے ہمیں اتنا یقین ضرور ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بغیر تلاش

مرشد یا بغیر وسیلہ اولیائے کاملین کے نہیں مل سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا اگر مجھے تلاش کرنا چاہتے ہو تو میں تجھے اپنے کسی پیارے کے وسیلے سے ہی مل سکتا ہوں۔ جیسا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزار کعبہ یک دل بہتر است

کیونکہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے جسے دیکھنا حج اکبر ہے اور جب دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات آجاتی ہے دل اللہ تعالیٰ کی ذات کی قیام گاہ بن جاتا ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈیرہ بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس میں سے یعنی اس بندے کی صورت سے اپنی ذات کا ظہور فرما کر اپنے طالبوں کو عین عیان بلا حجاب دکھایا جس کا اظہار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے مدینہ شریف کی گلیوں میں دوڑ دوڑ کر یوں کہا کہ رایت ربی فی صفق المدینہ یعنی ''میں نے مدینہ کی گلیوں میں رب العزۃ کو چلتے ہوئے دیکھا ہے'' تو حضور ﷺ نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا انی مراۃ الرحمان من رانی فقد رای الحق ''میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا شیشہ ہوں اور جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا'' تو اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ نبی یا ولی نعوذ باللہ اللہ بن جاتا ہے بلکہ وہ تو اللہ کا شیشہ بن جاتا ہے اور اس شیشے میں اللہ کے عکس کو دیکھنا ہے تو ادھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو جس صورت میں دیکھا تو اظہار بھی وہی کیا کہ میں نے اللہ کو اس صورت میں دیکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ شریف کی گلیوں میں اللہ کو چلتے ہوئے دیکھا۔ تو رب کسے کہتے ہیں۔ رب کے معنی ہیں پالنے والا۔

محترم قارئین کرام! جب سے فجر اسلام طلوع ہوئی مخالفین نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے اور داعیان الی الحق محبوبان خدا کے خلاف زبان بدگو دراز کی روح و روحانیت کی نفی کے ساتھ بدن کو ثابت کر کے اتصال نور کو منقطع کرنے کی کوشش کی۔ مشرق و مغرب میں مادیت کی تعلیم و ترویج سے روحانیت کو زک پہنچانے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں۔ گویا ہماری فکری اور اعتقادی بنیاد کو تہہ و بالا کر کے بھیانک انجام میں گزارنا چاہتے ہیں۔ اس فکری انحطاط اور پرفتن غیر آسودہ ماحول میں جہاں انسان کی حقیقت کو پامال کیا جا رہا ہے اس کی حالت پس خوردہ اور لاغر کر دی گئی ہے۔ اس کی ترقی باطن کو کمال عرفان کی بجائے فلسفہ، جادو، زہد، خلوت و ریاضت کو بدعت قرار دیا گیا۔ تصرف پر بے شمار و خطرناک حملوں اور پرحوادث ماحول بنانے میں جن مخالفین کا ہاتھ ہے اس میں ایسے بیشمار لوگ ہیں جو پیر و شیخ کے روپ میں اس پر عظمت اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے منصب و مقام کو بدنام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ رہبر کی صورت میں راہزن، سادھو کے صورت میں چور، خیر خواہ کی صورت میں دشمن جان، بزرگ کی صورت میں اصل شیطان اور خطرناک ترین ہیں۔ حاکم کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ الشیطان الانسان اشد من الشیطان الجن ''انسان شیطان جن شیطان سے زیادہ سخت ہے''۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو نہ پیر و مرشد ہیں اور نہ

انہیں اس کے متعلق کچھ علم وہ بس اپنی دنیا کے چکر میں ہوتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ سادہ لوح انسانوں سے پیسہ بٹورنے کے لئے پیری و شیخیت کو بطور پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ چلہ کشی و ریاضت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں پھر شیطان استدراج میں آ کر گمراہ ہو جاتے ہیں اور بعض مرشد ناقص ہوتے ہیں جو شروع ہی سے اپنے طالب کا ترجمان دنیا کی طرف کر دیتے ہیں پھر خود بھی دنیا سے کھیلتے ہیں اور ان کے مرید بھی اس لئے یہ لوگ اپنی شہرت و اشتہار بازی کرتے ہیں۔ صرف ایک رات کے عمل سے ہر مسئلے کا حل' جو چاہو سو پوچھو' سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں' ستاروں کی چال کے ماہر' علم نجوم کے بے تاج بادشاہ' بنگال کا کالا جادو' شوہر کو راہ راست پر لانا' پانچ لاکھ نقد انعام اس عالم کو جو میرے کیے ہوئے علم کی کاٹ کرے' کالے و سفلی علم کی کاٹ کے ماہر جناب عالم نجومی فلاں ولد فلاں یورپ میں شہرت کے بعد اب آپ کے شہر میں۔

معزز قارئین کرام! مندرجہ بالا عبارات اکثر و بیشتر اخبارات اور مختلف جگہوں پر بڑے نمایاں حروف میں لکھے دیکھتے ہوں گے۔ ہر عامل کا اپنے کامل ہونے کا دعویٰ ہے اور ساری انسانیت کا درد ان کے سینے میں ہے۔ اس لئے تو وہ یورپ کو چھوڑ کر آپ کے شہر میں ایک چھوٹی سی کٹیا میں آن بسا ہے۔ نہ صرف یہ کہ دھوکے اور فریب کا نام انسانیت کی خدمت رکھ دیا ہے بلکہ ان ظالموں نے تو علم تصوف و معرفت اور حقیقت کو بھی شعبدہ بازی اور دھوکے بازی تک محدود کر کے رکھ دیا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ اس قسم کے جتنے بھی عامل باوے ہیں ان سب کو کسی نہ کسی کامل مرشد کا فیض ضرور ملا ہے اس لئے تو وہ خود بھی کامل ہیں اور انسانیت کا ستیاناس کرنے کا کام بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ایسے ہی بد بخت لوگوں کی وجہ سے لوگ راہ طریقت سے کتراتے ہیں۔ ان کم بختوں نے صرف دولت کو مقصد حیات بنا لیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے عوام الناس کو ہر طرح سے بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ آئے دن اخبارات اور رسائل میں ان کے نئے جال ہوتے ہیں اور اپنی نام نہاد شعبدہ بازیوں کو کرامات کا نام دے کر ان کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ گویا ان پر یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ اس کی بہترین مثال ان کے اشتہارات کے ساتھ چھپنے والے ''کھلے خط'' ہوتے ہیں۔ جن کا ایک ہی انداز ہوتا ہے کہ ''میں بہت پریشان تھا مرنے والا تھا ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے فلاں عامل باوے سے رابطہ کیا تو میری تمام پریشانیاں دور ہو گئیں''۔

اگر قارئین کرام! ذرا سی توجہ اور محنت سے کام لیں تو پہچان کر حیران رہ جائیں گے کہ ایک ہی اخبار میں ایک ہی خط بغیر کسی زیر و زبر تبدیل کئے صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ مختلف عاملوں کے بارے میں چھپا ہوتا ہے اور معلوم نہیں کہ تمام خطوط سعودی عرب' افریقہ' انگلینڈ اور راولپنڈی ہی سے کیوں آتے ہیں؟ یہاں میں قارئین کی توجہ ایک اہم نقطے کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ اس تحریر میں یہ احمق لوگ کفر عظیم بلکہ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ جب یہ کہتے ہیں کہ ''ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے فلاں باوے سے رابطہ کیا تو میرے مسئلے حل ہو گئے'' تو گویا یہ نادان یہاں پر اللہ تعالیٰ کی بھی نفی کر گئے (نعوذ باللہ) کہ خدا سے بھی ناامیدی تھی مگر عامل نے کام کر دیا۔ ناعاقبت اندیش مال و زر کے پجاریوں نے تو اولیاء اللہ کی

درگاہوں اور مزارات کو بھی نہیں بخشا بلکہ بابرکت جگہوں کو اپنی شکارگاہیں بنالیا۔ جہاں بیٹھ کر یہ انسان کا شکار کرتے ہیں اور اللہ کے ولیوں سے عوام الناس کو بدظن کرتے ہیں۔

ایک شخص جو بظاہر شریعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا نظر آتا ہے' آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے اور لوگ اس کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں جبکہ دو چیلے ان حضرات کے دائیں بائیں بصورت منکر نکیر کھڑے ہیں اور لوگوں سے پیچھے ہٹنے کی درخواست کر رہے ہیں تاکہ حضرت صاحب کے ''موکل'' بیٹھ سکیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت دائیں بائیں سر جھٹک کر آنکھیں کھول دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ ''عرض کرو ہر سوال کا جواب ملے گا'' اسی پر ایک عجیب سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر سوال کے جواب میں ''حضرت صاحب'' اپنے موکلوں سے گفتگو کرتے ہیں جبکہ سامعین آنکھیں پھاڑے موکلوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں کہ شاید انہیں بھی نظر آ جائے۔ اس کے بعد جواب میں تقریباً یہی کہا جاتا ہے کہ تم پر فلاں رشتہ دار نے عمل کیا ہے تم پر تمہارے پڑوسی نے عمل (تعویز) کیا ہے۔ نیز آخری بات یہ طے پائی جاتی ہے کہ ''حضرت صاحب'' کے آستانے پر تشریف لائیں اور اپنی جیب کا کام تمام کروائیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہو رہا ہے' کیوں یہ جاہل لوگ سادہ لوح انسانوں کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ان عاملوں اور نقلی پیروں کی دسترس سے محفوظ نہیں۔ ذرا غور کرنے سے یہ سارا چکر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ کہانی تو اسی روز سے شروع ہو گئی تھی جب ابلیس نے خدا تعالیٰ کی حکم عدولی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور انسان کو بہکانے کی قسم کھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا تو اس کی راہنمائی کے لئے انبیاء و رسولوں علیہم السلام کو بھیجا حتیٰ کہ نبوت کا سلسلہ رحمت دو عالم نور مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر ختم ہوا اور اس کے بعد محبوب کریم ﷺ کی تعلیمات اور پیغام کو تمام آنے والے انسانوں تک پہنچانے کے لئے سلسلہ ولایت شروع ہوا۔ انسان کے لئے راہ حق کو پانے کے لئے ''مرشد کامل'' کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ''مرشد کامل'' کی ضرورت کو جھٹلایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بیشمار قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو'' جملہ اولیاء اور علماء کرام کی تعلیمات کے مطابق وسیلہ سے مراد مرشد کامل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو یہ دعوت دے رہا ہے کہ کسی ایسے مرشد کامل کی اطاعت اختیار کرو جو تمہیں خدا کی پہچان کرائے اور واصل باللہ کر دے۔ گویا مرشد کامل کا کام طالب صادق کو واصل باللہ کرنا ہے نہ کہ اسے مردود دنیا کے چنگل میں پھنسانا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ''دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں'' تو کیا مرشد کامل اپنے چاہنے والے کو مردار کھانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اپنے مریدوں کے دل سے اس ناپاک دنیا کی محبت کو بالکل ہی نکال دیتا ہے مگر اس کے لئے طالب بھی صادق ہونا چاہئے۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں

آیا ہے کہ کوئی مرشد کے پاس آتا ہے اور اس کے پاس دنیا و دولت کی فروانی ہوتی چلی گئی اور دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس پر تو بڑی مہربانی ہے اور اس کا مرشد بڑا پہنچا ہوا ہے اور اگر بظاہر دیکھیں تو واقعی یہ بات درست لگتی ہے مگر اس بات کو حاکم کائنات ﷺ کی حدیث پاک کی روشنی میں دیکھیں تو اس کا مطلب کچھ اور ہی لگتا ہے۔ ''جس نے دنیا کی طلب کی اس کے لئے دنیا ہے جس نے آخرت طلب کی اس کے لئے آخرت ہے' جس نے مولا کی طلب کی اس کے لئے سب کچھ ہے''۔ یعنی جو دنیا کی طلب کرتا ہے اس کا آخرت اور دیدار مولا میں کوئی حصہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے کہ طالب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ طالب دنیا' طالب عقبیٰ' طالب مولا۔ طالب دنیا کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ مخنث ہوتا ہے' طالب عقبیٰ کے بارے میں فرمایا کہ وہ مؤنث ہوتا ہے اور طالب مولا مذکر کہا گیا ہے۔ اسی طرح سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد کی بھی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ مرشد دنیا' مرشد عقبیٰ اور مرشد مولا۔ مرشد دنیا خود بھی دنیا کا طالب ہوتا ہے اور اپنے مریدوں کو بھی دنیا کے لئے ہی وردو وظیفے اور ذکر کراتا ہے۔ مرشد عقبیٰ جنت کا طالب ہوتا ہے اور اپنے مریدوں کو بھی ریاضتوں اور چلوں میں ڈال کر جنت طلب کراتا ہے اور مرشد مولا صرف اور صرف طالب مولا ہے اسے اپنے مریدوں کو وردو وظیفوں اور چلوں میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ایک ہی نظر سے اپنے مریدوں کو واصل باللہ کرتا ہے۔ آج کل لوگ ایسے مرشد کی تلاش میں رہتے ہیں جس کی دعاؤں کی وجہ سے ان کو دولت ملے' ان کے نفس کی خواہش پوری ہو سکے اور جب چند لوگوں نے عوام الناس کی اس حالت کو دیکھا تو خود کو جھوٹے لبادے میں اوڑھ کر اپنے آپ کو بہت بڑا عالم کہنا شروع کر دیا اور نفس پرستی کی انتہا کر دی۔ ان لوگوں میں سے کچھ ہیں جن کو طریقت کو دور شریعت کے بارے میں بھی کچھ علم نہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے آباؤ اجداد تو راہ حق پر تھے مگر ان کی نا اہلی کی وجہ سے نہ تو انہیں اذن دیا گیا اور نہ ہی گدی ان کے حوالے کی گئی اور بلا اذن انہوں نے مرید کرنے شروع کر دیئے ایسے لوگوں نے شریعت کے خلاف چلنے کا نام طریقت بداعتقادی اور بدعت کا نام معرفت اور خود پرستی اور شرک کا نام حقیقت رکھ دیا ہے (ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے' آمین)۔ انہی لوگوں کی وجہ سے بہت سے لوگ اولیاء اللہ اور مرشد کامل کی ذات سے انکار کر گئے اور راہ طریقت سے ایسے بدظن ہوئے اور اس طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا (خدا انہیں راہ حق نصیب فرمائے' آمین)۔

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ کتوں کی طرح ہیں اور جیسے کتا ہڈی کے لئے لڑتا ہے اور مارا مارا پھرتا ہے اسی طرح یہ دنیا کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں اور ساری عمر ایسے گزار دیتے ہیں جیسے کوئی شخص پانی ہلاتا رہے اور امید رکھے کہ اس میں سے مکھن نکل ہی آئے گا۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے نہ کہ دنیا۔ یہ لوگ روپے پیسے کی خاطر جھوٹے تعویز گنڈے کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ انسان کی شکل میں شیطان ہیں تو غلط نہ ہوگا کہ شیطان نے جو انسان کو بہکانے کا بیڑا اٹھایا تھا اس نے ایسے ہی لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے چن لیا تھا لیکن ایک بات اٹل ہے

کہ جو طالب صادق ہوتا ہے وہ کبھی بھی ان کے پاس نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ اسے راہ راست ''مرشد کامل'' کی بارگاہ میں لے جاتا ہے۔ان لوگوں کے چنگل میں صرف اور صرف طلب دنیا مردار ہی پھنستے ہیں۔

مرشد کامل شکاری کی مانند ہوتا ہے جو طالب مولیٰ کی تلاش میں رہتا ہے۔اس لئے مرشد کامل طالب صادق کو ان جاہلوں کے پاس جانے ہی نہیں دیتا۔ یہاں ایک بات بڑی اہم ہے کہ ایک دنیا میں ''مرشد کامل'' صرف ایک ہی ہوتا ہے اور باقی اولیاء اللہ اس کے نائب ہوتے ہیں۔گویا وہ مظہر ذات اور باقی اولیاء مظہر صفات ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے اور صفات بیشار ہیں۔اس لئے مظہرات ایک ہوتا ہے اور مظہر صفات زیادہ ہوتے ہیں۔مرشد کامل ایسا فیض بخش اور صاحب تصرف ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو طالب کو بغیر کسی محنت اور ریاضت کے ایک ہی نظر میں بامراد کردے۔مرشد کامل ایک ہی نگاہ سے طالب کو ایسا پاک کردیتا ہے کہ گویا اس نے ابھی جنم لیا ہو چاہے کتنا ہی گناہگار ہو۔اگر وہ طالب صادق یعنی طالب مولیٰ بن کر آئے تو مرشد کامل اسے ایک ہی لمحہ میں منزل عطا کردیتا ہے۔

مختصر یہ کہ مرشد ناقص کی مکاریوں کی انتہا نہیں اور مرشد کامل کی عطا اور نظر کرم کی کوئی حد نہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب جعلی پیروں اور شعبدہ بازوں سے بچائے اور مرشد کامل کے دامن میں آباد ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) کیونکہ ''مرشد کامل قلب (دل) کی مانند ہے اور مرشد ناقص کلب (کتے) کی شکل ہے''۔

ناقص اور کامل پیر اور صادق و کاذب مرید

کامل مرشد میں نو صفتیں ہونی چاہئیں۔یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک مجذوب سالک اور دوسرے سالک مجذوب۔ان دونوں ہی سے تلقین حاصل کرنے سے آخرکار طالب مردود ہو جاتا ہے یعنی اگر اسے ترقی ہوتی ہے تو دنیاوی مراتب اور عز و جاہ میں۔ایسے لوگ دنیا کو گمراہ کرتے ہیں۔مرشد کامل محبوب القلب کا قرب الٰہی سے نہ مکر ہوتا ہے نہ حال۔نہ مستی نہ قال نہ خام خیال۔وہ ہمیشہ باجمعیت ہوتا ہے اور مقرب الحق۔عارف باللہ اور صاحب وصال لازوال ہوتا ہے۔اگر مرشد موصل اور طالب واصل ہو تو دونوں بے حاصل ہیں۔انہیں کشف فنا' نفسانی خواہش خود پسندی' تکبر نصیب ہوتا ہے۔مرشدوں کے مراتب حسب ذیل نظم میں شمار کئے ہیں۔

کامل و اکمل مکمل عارف و نور الہدیٰ
جامع صاحب ہدایت ہادی مشکل کشا
طالبان را دستگیر و بدو وحدت بانظر
راز مقصد بے ریاضت طالبانش بہرہ ور
ابتدا الاہوت پیدا انتہا بالا مکاں
عین العیانش عین وحد ہا آنجہاں

باہو بہراز خدا حق راہبری حق راہبر
طالب مثل است موسیٰ مرشد باشد خضر

ذکر' فکر' مراقبہ' مکاشفہ' وردو ظائف' دعوت علم' ہر ایک علم یعنی علم تلاوت قرآن' علم تفسیر' علم تاثیر' اسم اعظم عمل میں لانا اور صفات کے تمام مراتب طبقات اور درجات ابتداء اور انتہاء فقر ہے اور فقر کو معرفت' جمیعت اور تلقین حاصل ہوتی ہے۔ ابتداء اور انتہا سے یہ مراد ہے کہ لاہوت اور لامکان سے شروع ہو کر دریائے توحید میں غرق ہو کر فنا فی اللہ ہو جائے جو شخص اور توحید کے دریا میں غرق ہوتا ہے وہ پھر اس سے نکل نہیں سکتا۔ یہ مراتب جمیعت کا مقام ہے۔ اس میں انسان کو ایسا رہنا چاہئے جیسے پانی میں مچھلی۔

غـرق تـوحـیـدش بـدریـاچـہ آری خـطـاب
چـوں حبـاب خـود تہـی شـدگشـت آب

واضح رہے کہ بہت سے طالب شیطان کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں اور صادق مرید ہزاروں میں سے کوئی ایک آدھ ہے۔ صاحب سجادہ کے لئے پانچ چیزیں ضروری ہیں۔ نفس سے آزاد ہونے کا سجادہ سادہ اور راہ پر استقامت اختیار کرے اور شراب نہ پیئے۔ کمینے اور حرام زادے آدمیوں کے ساتھ مل کر نہ بیٹھے۔ دوست بالیقین ہو' اور اللہ تعالیٰ کے نام پر سچا ارادہ رکھتا ہو۔

شـد مـریـدش صـادق ھـا بـالـیـقـیـن
خـاکپـا مـژگـان کـنـد از محـی دیـن

واضح رہے کہ طالب اللہ میں دس صفتیں ہونی چاہئے اول باادب ہو' دوسرے باحیاء' تیسرے طالب خدا رکھتا ہو' چوتھے نفسانی خواہشات چھوڑ دے' پانچویں ماسوائے اللہ کو تین طلاق دے' چھٹے مرشد کی اطاعت میں رہے' ساتویں خدا کی راہ میں جان تک قربان کر دے اور مال برضا و رغبت خرچ کرے' آٹھویں ہمیشہ خاموش رہے ماسوائے مرشد کی اجازت کے ظاہر و باطن میں کوئی کام نہ کرے' نویں باشعور اور اس کا باطن میں معرفت اور قرب الٰہی کے لائق ہو اور دسویں زندہ دل اور مردہ نفس ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ الطالب عند المرشد کالمیت بین یدی الغسال '' طالب مرشد کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں''۔

جو طالب ان صفات سے موصوف ہے وہ تمام باطنی خوبیاں حاصل کر لیتا ہے اور عارف باللہ' واصل' اہل تصور' تصرف فنا فی اللہ اور ہمیشہ محبت محبوب میں غرق رہتا ہے۔ جس میں یہ اوصاف ہوں اسے ورد وظائف اور دعوت پڑھنے' سعد و نحس وقت پہچاننے' ستاروں کو گننے' بروج کا حساب کرنے دائرے اور نقوش کو پر کرنے' بادشاہوں کو تسخیر کرنے جفر کے نقش' دور مدور' بدل نقش رجعت اور موکل' جن اور رجال الغیب کو رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے جو فقیر صاحب تصور تصرف ہے اور محبوب کے تصور کی چابی اس کے پاس ہے وہ ہر مطلب کا تالا کھول سکتا ہے اور سخت سے سخت مشکل حل کر سکتا ہے اور اسے ہر مشکل آسان

معلوم ہوتی ہے۔اس قسم کے مراتب والے کواللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق حاصل ہوتی ہے جس طرح توجہ کرتا ہے اس کا کام بن جاتا ہے۔ایسے شخص کو ریاضت' چلہ اور خلوت کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جس شخص کی زبان الہٰی تلوار ہے اس کی بات کنہ کن سے ہوتی ہے وہ جس چیز کو کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہو جا ہو جاتی ہے' ایسے آدمی کو ریاضت کی ضرورت نہیں وہ لسان الفقراء سیف الرحمٰن۔فقرا کی زبان الہٰی تلوار ہوتی ہے مطلب یہ کہ یہ قدرتی تلوار قیامت تک باز نہیں رہتی۔یقین ہے کہ بادشاہ کا حکم قیامت تک رہے گا اور فقیر کا کہنا اس سے بھی آگے تک اور اہل ایمان کو بہشت میں پہنچا دے گا۔

حدیث شریف میں ہے۔حب الفقراء مفتاح الجنۃ "فقیر کی دو قسمیں ہیں' ایک وردو وظائف' تلاوت اور ذکر و مذکور میں مشغول ہونا" اس کو ذاکر کہتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ میں مستغرق ہونا اور فنا فی اللہ ہونا اور مشاہدہ اور حضور میں ہونا جب ذکر وفکر سے گزر جاتا ہے تو پھر مستغرق فی اللہ ہوتا ہے اور مشاہدہ حضور اور توحید تک پہنچتا ہے۔

مرشد کامل کا ظاہر و باطن قرآن وحدیث کے موافق ہوتا ہے

یہ احوال' احوال قیل وقال سے تعلق نہیں رکھتے توجہ مرشد کامل بلکہ محض فضل الہٰی سے حاصل ہوتے ہیں۔خدائے تعالیٰ جسے چاہے عطا کرے۔"یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے"۔یہاں تک کہ جناب سرور کائنات ﷺ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔"اے پیغمبر آپ (ﷺ) کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے لیکن خدائے تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے"۔تو اب اور کسی کا کیا ذکر ہے مگر انسان کے لئے کوشش کرنی ضروری ہے۔"کوشش ہماری طرف سے ہے اور پورا کرنا خدا کا کام ہے"۔

جب سالک کو علم و فقر و معرفت و توحید و تجرید و تفرید وغیرہ سب حاصل ہو جاتے ہیں تو پھر اسے ظاہر و باطن میں اور کسی چیز کی احتیاج باقی نہیں رہتی اور مجموعہ احوالات و مقامات ذات وصفات اس کے تصرف میں ہوتے ہیں۔اسے جواہر جمعیت کہتے ہیں اور جواہر جمعیت کے دو نشان ہیں۔ظاہر شریعت میں ہو اور باطن میں مراقبہ و مشاہدہ و مقام ربوبیت و تجلی انوار میں غرق ہو۔جو شخص کہ ان مقامات میں شک کرتا ہے وہی ان سے محروم رہتا ہے ورنہ رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔جس کا جی چاہے رحمت الہٰی میں داخل ہو جو کوئی کہ نیکی کا ارادہ کر کے اس کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔خدا کے فضل وکرم سے اس میں کامیاب ہوتا ہے جو پیچھے ہٹتا ہے' بے نصیب رہتا ہے۔

دیدۂ بباید لائق دیدار او
ایں نہ دیدہ در طلب مردار جو
کور چشمے کے بہ بیند آفتاب
کور را از آفتابش صد حجاب

اہل بصیرت اہل روح ہیں اور بے بصیرت اہل نفس امارہ ہیں۔اہل روح پاک اور اہل نفس امارہ

ناپاک ہیں۔ یہ دونوں ایک مجلس میں نہیں رہ سکتے۔ یاد رہے کہ جہل سے بدتر جہان میں کوئی چیز نہیں ہے۔ مگر علم بھی عمل کے لئے ہے اسی لئے عالم بے عمل گویا عورت بانجھ و بے حمل ہوتا ہے۔ تمام علوم وفنون حاصل کر کے عالم فاضل بننا مشکل کام نہیں مگر عالم باعمل بننا کارے دارد کا مضمون ہے۔ تحصیل علوم کے بعد صاحب عمل واتقاء و پارسا ہونا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ بلکہ عالم عامل متقی و پرہیزگار اور ظاہر و باطن میں عبادت واطاعت الٰہی میں ہوشیار رہنا بمعولہ ذکر وفکر اختیار کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ذکر خفی نفس امارہ کو تہ تیغ کرتا ہے اور ذکر خفی اختیار کرنا بھی آسان ہے۔ صاحب مذکور و صاحب الہام و حضور ہونا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور صاحب حضور ہونا بھی آسان ہے۔

معرفت الٰہی میں حوصلہ وسیع رکھنا چاہئے

لیکن اپنا حوصلہ معرفت الٰہی میں وسیع رکھنا اور معرفت الٰہی کو اپنے وجود میں محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں، کتنی پئیں وہ کب بہکتے ہیں

اور معرفت الٰہی کا حاصل کرنا اسے محفوظ رکھنا، مجلس محبوب کریم ﷺ میں داخل ہونا اور انوار وتجلیات سے مشرف ہونا بھی آسان ہے مگر حب ولایت ہوا اور ہدایۂ محمدی حاصل کرنا اور خو بو وخلق محمدی، ترک و توکل تسلیم ورضا، مجموعہ صفات محمدی اختیار کرنا، بہت مشکل ہے۔ اسی طرح سے بادشاہ ہونا، مشرق سے مغرب تک فتوحات وملک سلیمانی حاصل کرنا آسان کام ہے۔ مگر عدل وانصاف کرنا خلق اللہ کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح سے پیرومرشد بننا آسان کام ہے لیکن طالب کو منزل مقصود پر پہنچانا اور واحدانیت ومجلس محبوب کریم ﷺ میں اسے غرق کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح سے طالب ہونا آسان کام ہے لیکن باادب وحیا ہونا اور اپنے آپ کو مرشد کو سونپنا بہت مشکل ہے مرید ہونا آسان ہے۔ مگر اپنی مرادوں اور خواہشوں کو چھوڑنا بہت مشکل ہے (طالب کا حال مرشد کے سامنے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح سے کہ مردے کا حال غسال کے سامنے ہوتا ہے)۔

مجلس محمدی میں پہنچے سے طالب پر خلفائے اربعہ کی توجہ ہونا

جب طالب مجلس محبوب کریم ﷺ میں داخل ہوتا ہے تو اول خلفائے اربعہ کی توجہ کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر سے طالب کے وجود میں صدق وراستی پیدا ہوتی ہے اور کذب ونفاق اس کے وجود سے دور رہتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر سے اس کے وجود میں عدو انصاف ومحاسبہ نفس پیدا ہوتا ہے اور خطرات بد وحواس نفسانی اس کے وجود سے دور ہو جاتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نظر پڑنے سے اس کے وجود میں حیاء ادب پیدا ہو جاتا ہے اور بے حیائی و بے ادبی دور ہو جاتی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر پڑنے پر اس کے وجود میں علم و ہدایت وفقر پیدا

ہوتا ہے اور جہل و محبت دنیا اس کے وجود سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جناب سرور کائنات ﷺ سے تلقین و بیعت حاصل کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

مجلس محمدی میں پہنچ کر آنجناب سے تلقین حاصل کر کے مراتب مرشدی حاصل کرنا اور رجعت سے محفوظ رہنا

اور آپ سے بیعت و تلقین حاصل کر کے مراتب مرشدی حاصل کرنا ہے۔ مراتب مرشد کی لازوال ہیں۔ ''اولیاء اللہ پر بیشک کوئی خوف اور غم نہیں'' اور نہ اب ان مراتب سے اسے رجعت ہوئی ہے جو مرشد کہ طالب کو اول روز مجلس محبوب کریم ﷺ میں نہیں لے جاتا اور اصحاب کبار کی توجہ اور جناب محبوب کریم ﷺ کی بیعت سے مشرف نہیں کراتا اور اسے یک دم میں بے ریاضت و بے محنت و بے عبادت و طاعت محبت سے مقام حضور تک نہیں لے جا سکتا۔ اسے مرشد کامل نہیں کہنا چاہئے اگر درحقیقت مجلس محبوب کریم ﷺ میں مراتب اعلیٰ قرب فنا فی اللہ نہ ہوتی تو تمام سالک گمراہ ہو جاتے اور باطن میں بھی وہی ہے کہ وجود ظاہری جو کچھ کہ باطن میں دیکھے۔ ظاہر و باطن میں قرآن و حدیث کے بالکل موافق ہو اور سرمو شریعت محمدی سے خلاف نہ ہو۔

محترم قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی راہ میں وسیلہ (مرشد کامل) تلاش کرو اور مجاہدہ کرو راہ خداوندی میں تاکہ تم فلاح (وصال الٰہی) پا جاؤ''۔ تمام تفاسیر اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وسیلے سے مراد مرشد کامل ہے بلکہ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔ ''اور اہل تصدیق لوگوں میں داخل ہو جاؤ''۔ مزید فرمایا ''جو اس میں داخل ہو گیا امن میں آ گیا۔ محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔'' پہلے شیخ (مرشد کامل) تلاش کرو پھر راہ حق پر چلو'' بلکہ یہاں تک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جس کا شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے''۔ طالب مولیٰ کے لئے مرشد کامل کی رفاقت ضروری ہے۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے انسان خدائے تعالیٰ مشرق و مغرب مین نہیں' شمال و جنوب میں نہیں' زمین و آسمان میں نہیں' حسن میں نہیں' سرور میں نہیں' ساع میں نہیں' نماز' روزہ' زہد و تقویٰ میں نہیں' در در گدائی میں نہیں بلکہ اگر تو خدا کو تلاش کرنا چاہتا ہے تو خدا کا راز کسی صاحب راز کے سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے کیونکہ حدیث قدسی ہے۔ ''میں نہیں سما تا زمین میں اور نہیں سما تا آسمانوں میں بلکہ سما تا ہوں بندہ مومن کے دل میں''۔ یعنی مرشد کامل وہ ہوتا ہے جس کا دل رب کریم کا ٹھکانہ ہو۔ اس سے صفات الٰہیہ کا ظہور ہو۔ جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے۔ ''اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے''۔

پس طالب پر لازم ہے کہ ایسا مرشد تلاش کرے جس کی نہ صرف صورت مبارک سے بلکہ اس کے ہر فعل سے خدائے تعالیٰ کا اظہار ہو۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ مرشد نہ از سر ہوا
می برد مرشد حضور مصطفیٰ ﷺ

''جس شخص کا مرشد نہیں وہ ہوائے نفس کا قیدی ہے' مرشد تو محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچاتا ہے''۔

ہر کہ مرشد نہ شیطان مرید
ہر کہ با مرشد بود گو بایزید

''جس شخص کا مرشد نہیں وہ شیطان کا مرید ہے جسے مرشد مل گیا وہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ کے مرتبے پر پہنچ گیا''۔

پس واضح ہوا کہ طالب مولیٰ کے لئے مرشد کی ضرورت اور اہمیت کتنی ہے اس لئے جس انسان کے دل میں طلب الٰہی ہے اس کو چاہئے کہ مرشد کامل تلاش کرے۔ مرشد کامل کی پہچان کیا ہے؟ مرشد کامل مظہر ذات الٰہی ہوتا ہے مرشد کامل ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں طالب مولیٰ رب ذوالجلال کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ مرشد کامل امانت الٰہیہ کا حامل ہوتا ہے اور اس ازلی نور سے بہراور ہوتا ہے جو ابتدا میں محبوب کریم ﷺ کی پیشانی اقدس پر چمکا جس کی روشنی سے قیامت تک طالبان مولیٰ کے دل روشن رہیں گے۔ وہی نور پیشانی در پیشانی منتقل ہوتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کا ظہور ہو جائے گا اور جب تک اس امانت الٰہیہ کی حامل ہستی کائنات میں موجود رہے گی قیامت قائم نہیں ہوگی۔ جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ ''جب تک ایک مومن زمین پر رہے گا قیامت قائم نہیں ہوگی''۔ وہ مرد کامل اس کی پہچان کیا ہے؟ جس کے دل میں جلوہ حق ہوگا تو اس کے چہرہ اقدس سے نور کے چشمے پھوٹیں گے اگر سالک محبت اور عشق کے ساتھ اس ولی کامل کی زیارت کرے گا تو محسوس کرے گا کہ ہر لمحہ اس کی نئی شان ہے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔ ''وہ ہر روز نئی شان کے ساتھ ہوتا ہے'' (القرآن) بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قرآن مقدس اور تمام پیغمبروں نے کلام الٰہی اسی نور کے سبب سنا۔ تمام ولیوں نے اس نور کے طفیل ولایت پائی عارفوں کے لئے راہنمائی ہے دیدار ہے مومنوں کے لئے ایمان ہے ہدایت ہے اور مخلوق کے لئے رب دو جہاں کا احساس ہے یہ نور نور محمدی ﷺ اور محبت حقیقی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ ''اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے' چراغ فانوس میں ہے۔ فانوس ایسے ہیں کہ ایک موتی جو ستارے کی مانند چمکتا ہے۔ یہ چراغ اس برکت والے پیڑ زیتون کے تیل سے روشن ہوتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگر چہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔ نور پہ نور چھایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نور کی طرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کا طالب بنتا ہے''۔

تمام تفاسیر اور صوفیا کرام کی تصانیف سے یہ بات ثابت ہے کہ اس طاق سے مراد ولی اکمل کا دل ہے۔ طالبان مولیٰ کو مرشد اکمل ہی سے خدائے تعالیٰ کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ جس طالب مولیٰ کو اللہ

کا دیدار ہوا وہ کسی نہ کسی آئینہ کے توسط سے ہوا۔ جب عارفوں کی نگاہ اس نور مبین پر پڑی تو محبت و عشق کے جذبات سے انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی جیسا کہ حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب سرالاسرار شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا"۔ رحمت کائنات ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔"میں رحمٰن کا شیشہ ہوں جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا"۔ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دارد از نور الٰہی چہرہ تو آگہی
زردی روئے تو باشند سرخی رخسار حور
"تیرہ چہرہ اللہ کے نور سے واقفیت رکھتا ہے۔ حور کے رخساروں کی سرخی تیرے چہرے کی زردی سے ہوئی"۔

حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں مسجد بخیت اے قبلہ من روئے تو
پشت در محراب خواھم روئے رابروئے تو
"اے میرے مرشد کامل جب میں مسجد میں تیرے روئے انور کو دیکھتا ہوں تو میں چاہتا ہوں پشت اپنی محراب کی طرف کر کے منہ اپنا تیرے ابروؤں کی طرف کروں"۔

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نور حق ظاھر بود اندر ولی
نیك نهبی باشی اگر اھل ولی
"نور خدا ولی کامل میں ظاہر ہے اگر تو نیک اور اہل دل ہے"۔

خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خیر و شد دیدۂ عقل از لمعات رخ دوست
با وجود از پس صد پردہ خیالے دیدم
"عقل کی آنکھیں چندھیا گئیں یار کے چہرے کی تجلیوں سے اگرچہ میں سینکڑوں پردوں کے پیچھے دیکھتا ہوں"۔

قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ اور صوفیائے کرام کے فرمودات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی ہستی جو ہر دور میں اس امانت کی حامل ہوتی ہے۔ ایسے مرشد اکمل سے طالبان مولیٰ کو نور حق کے جلوے نصیب ہوتے ہیں اور اس کا فرمان عین خدا کا فرمان ہوتا ہے۔ اس کا سننا عین خدا کا سننا ہوتا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا عین خدا کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔"جب

بندہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"۔

ظاہر بشری تقاضوں کے مطابق وہ انسان ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی ذات فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے وجود سے رب کریم کے جلوے اور نشانیاں نظر آتی ہیں ایسی ہستی کی پہچان صرف طالبان مولیٰ کے صدق کے مطابق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے "میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں"۔

ایسی ہستی پاک شریعت مبارکہ کا مظہر ہوتی ہے یعنی جس پاک ہستی میں نور الٰہی جلوہ گر ہوگا اس کے ہر عمل سے شریعت محمدی ﷺ اور سنت محمدی ﷺ کا اظہار ہوگا جیسا حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ھر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم
"میں نے ہر مرتبہ شریعت کی پابندی سے حاصل کیا اور شریعت کو اپنا پیشوا بنائے رکھا"۔

طالب مولیٰ کے لئے تیسری نشانی شریعت ہے۔ اگر کوئی مرشد طالب مولیٰ کو قیل وقال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ شریعت خصوصاً نماز وغیرہ کی اس سٹیج پر حاجت نہیں ہوتی اس شیطان سے طالب کو چاہئے جتنا جلدی ہو سکے اپنی جان چھڑائے۔ اگلی نشانی یہ ہے کہ مرشد کا تعلق طریقت کے مشہور سلاسل سے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مرشد بغیر کسی مرشد کے اپنے آپ کو مرشد کہلوانا شروع کر دے ایسا شخص درحقیقت شیطان ہوتا ہے۔ کیونکہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا جس کا مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ طالب اس بات کی بھی پرکھ کرے جو مرشد کسی پاک ہستی سے وابستہ ہوگا وہ ہر وقت اپنے مرشد کی ثنا خوانی بیان کرے گا اور جو شیطان کا مرید ہوگا وہ ہمیشہ اپنی عظمت اور دنیاداری کی گفتگو کرے گا۔ دور حاضر میں کچھ لٹیرے ظاہر پرست اپنے آپ کو مرشد کہلواتے ہیں لیکن وہ مرشد کی میم سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

محترم قارئین کرام! مرشد اکمل مل جانے کے بعد اور اسکی حقیقی پہچان ہونے کے بعد طالب مولیٰ پر پہلا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرشد اکمل پر اپنا ایمان اور یقین انتہائی پختہ کر لے کیونکہ راہ طریقت میں آنے والے اکثر امتحانات سے طالب مولیٰ مرشد اکمل پر ایمان و اعتقاد کی بدولت کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر طالب مولیٰ کا ایمان اور اعتقاد اس معیار کا نہیں کہ وہ مرشد اکمل کے کلام کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتا اس کے حکم میں شک کرتا ہے اور اپنے عقل اور محدود علم سے اسے پرکھتا ہے تو ایسا طالب نفس اور شیطان کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے ایسے طالب کو چاہئے کہ جب وہ اسم محبوب کا وظیفہ پڑھے تو تصور میں مرشد کی بارگاہ میں حق الیقین کی استدعا کرے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ "اس اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع

لایا"۔ مرشد کامل کا ہر فعل صفات الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے اس لئے طالب مولیٰ کو چاہیے کہ مرشد کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

"اس (مرشد اکمل) کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے یعنی اس کی زبان پر اللہ بولتا ہے اگرچہ وہ الفاظ بندے کے حلق سے نکلتے ہیں"۔

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ جس میں طالبان مولیٰ کے لئے ایک عظیم نصیحت ہے۔ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام طالب مولیٰ اور خضر علیہ السلام مرشد کی صورت میں ظاہر ہے۔ پیغمبر علیہ السلام مادر زاد مقربین میں شامل ہوتے ہیں اور دنیا میں بندگان خدا کی تربیت کے لئے عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے مالک مجھے کوئی ایسا استاد عطا فرما جو مجھے علم باطن کی تعلیم وتربیت دے۔ اس بات سے معلوم ہوا جو شیطان صفت درندے بندگان خدا کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں کہ مرشد کی کوئی ضرورت نہیں قرآن پڑھو اور اللہ تک پہنچنے کے لئے اعمال کرو۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس سوال سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ علیہ السلام پیغمبر بھی ہیں صاحب کتاب بھی ہیں خدا سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں۔ اتنے مراتب کے باوجود آپ ﷺ کی بارگاہ میں مرشد اکمل کی طلب فرما رہے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نشانیاں بتائیں کہ جہاں دو سمندر اکٹھے ہوتے ہیں وہاں مردہ مچھلی زندہ ہوگی۔ وہاں پر آپ کی میرے بندے سے ملاقات ہوگی۔ اس سے مرشد اکمل کی نشانی کا پتہ چلتا ہے کہ مردہ مچھلی زندہ ہو جائے گی۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مردہ مچھلی سے مراد انسان کا دل ہے جب وہ مرشد کامل کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو مرشد اپنی نگاہ کاملہ سے اس کے مردہ دل کو زندہ فرما دیتا ہے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد دل کو زندہ کرنے والا اور نفس کو مارنے والا ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں سفر شروع کیا جیسا کہ ارشاد ہے۔ "جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے یا مدتوں تک چلا جاؤں" (القرآن)۔ قرآن مقدس کی اس آیت سے طالب کی شدت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام بڑے جوش اور طلب مرشد میں معمور ہو کر تلاش پر روانہ ہوئے اور اس عزم کے ساتھ کہ چاہے کتنا عرصہ لگ جائے میں وہاں تک ضرور پہنچوں گا جہاں وہ ہستی موجود ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے طلب مولیٰ کی' کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو راہ خدا وندی میں مرشد کی تلاش کرتے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک مرشد کی تلاش کرتا رہا۔ دور حاضر میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں طلب الٰہی کا مطلب بھی نہیں معلوم۔ ان کی بدبختی وہ کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے "انا" اور

تکبر" کے قول میں بند خواہش اور نفس کی ظلمت میں خود کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں۔ بعض پیروں کے ہاتھ پر بیعت ہو کر دنیا سے بیٹھے ہیں یا علم کے حجاب میں بند ہو کر بیٹھے ہیں ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ خدا کی تلاش سخت دشوار ہے جب موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر علم حقیقی کی تلاش میں نکلے تا کہ جان سکیں رب کی حقیقت کو پہنچ جائیں تو آج کل کے ظاہر پرستوں کی کیا حقیقت ہے؟ موسیٰ علیہ السلام سفر کر کے ایک مقام پر پہنچے تو خادم سے کہا کہ کھانا لاؤ تو خادم نے کہا کہ پچھلے مقام پر مچھلی زندہ ہوئی اور سمندر میں چلی گئی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا وہی ہمارا مقام تھا۔ آپ علیہ السلام پلٹے اور اس مقام پر پہنچے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔ "تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا" (القرآن)۔

اس آیت مبارکہ سے اللہ کے بندوں کی مخلوق پر اختیار پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ان کی شان بیان فرمائی ہے علم لدنی سے مراد علم باطن یا علم غیب ہے۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب مرشد اکمل طالب پر رحمت کی نگاہ کرتا ہے تو اس پر علم لدنی کھول دیتا ہے اس بات کا مشاہدہ دور حاضر میں اصلاحی جماعت کے مبلغ حضرات ہیں جن کو مرشد کی بارگاہ سے صدر کا خطاب ملا ہے۔ میرے مرشد کریم کی نگاہ کاملہ سے انہیں وہ علم عطا ہوا ہے کہ بڑے بڑے عالم اور دانشمند حیران رہ جاتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کی بارگاہ میں جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں تمہیں علم باطن عطا کروں گا لیکن تم میرے بات پر صبر کرنا اور ایمان رکھنا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ "کہا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں" (القرآن)۔ اس آیت مبارکہ سے راہ طریقت کا سب سے قیمتی نقطہ ہاتھ آتا ہے وہ ہے مرشد پر ایمان اور اعتقاد کیونکہ مرشد کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ "جس نے میری اطاعت کی اس نے رب کی اطاعت کی"۔ ایمان کی دو بنیادیں ہوتی ہیں۔ ایک عقل ہے یعنی انسان ہر چیز کی پرکھ کر کے ایمان لائے۔ دوسرا عشق ہوتا ہے جب انسان کو عشق ہو جاتا ہے تو محبوب کی ہر ادا اس کے لئے وحی بن جاتی ہے۔ شریعت میں ایمان کا تعلق عقل سے ہے جبکہ طریقت کا سفر باطن میں ہے اور باطن عقل و شعور کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ اس لئے طالب مولیٰ کے لئے ضروری ہے کہ مرشد اکمل حاصل ہونے کے بعد اس کی اتباع عقل و فہم کے بجائے عشق سے کرے۔ کیونکہ عشق کسی دلیل اور مشاہدے کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے "بے شک مومن غیب پر ایمان رکھتے ہیں"۔ بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

صبح ازل جبرائیل نے مجھ سے یہ کہا
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

مزید آپ فرماتے ہیں۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

جب طالب مولیٰ مرشد کے ساتھ تو عہد و پیمان یعنی بیعت کر لیتا ہے اور اس کے ہر حکم پر ہر فعل پر اپنا یقین کامل کر لیتا ہے تو مرشد اس کے ایمان کی پرکھ کے لئے اس کو امتحانات سے گزارتا ہے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کشتی میں سوراخ کیا اور بچے کو قتل کیا۔ طالب اگر عقل و فہم سے کام لے تو مرشد سے دور ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مرشد کے اس فعل پر یقین رکھے تو مرشد ایک وقت اس پر اس حکمت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔ ''اس بندہ نے اسے (کشتی) چیر ڈالا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ تم نے اس لئے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبو ڈالو''۔ طالب مولیٰ پر جب ایسا امتحان آتا ہے تو اس کو مرشد کا اعتقاد اور ایمان اس امتحان میں کامیاب کروا دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے طالبان مولیٰ کے لئے ایک ایسی مثال ثبت فرمائی کہ کوئی طالب اس مقام پر ناکام نہ ہو۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب مثنوی میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرشد کے ہزاروں کی تعداد میں مرید تھے۔ ایک دن اس مرشد کے پاس ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ طالب جانثاروں کی طرح خدمت کر رہے ہیں۔ ان بزرگ نے طالبوں کی باطنی کیفیت پر نظر ڈال کر اس مرشد سے پوچھا۔ تمہارے کتنے مرید ہیں؟ تو اس نے جواب دیا لاکھوں کی تعداد ہے تو بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے صرف ڈیڑھ طالب ہیں۔ وہ مرشد حیران ہوا تو بزرگ نے فرمایا۔ سب کو اکٹھا کرو اور ایک دن منتخب کرو۔ اس مرشد نے ایسا ہی کیا جب تمام مرید اکٹھے ہو گئے تو اس بزرگ نے کہا کہ تمہارے مرشد کو ایک بیماری ہے جس کے لئے انسانی خون کی ضرورت ہے تم لوگوں میں سے کون اپنا خون دے گا۔ بزرگ کا کلام سن کر تمام مرید دم بخود ہو گئے کافی دیر کے بعد ایک مرید آگے بڑھا اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ مرشد اسے کمرے کی چھت پر لے گیا اور اس کو بٹھا کر ایک جانور حلال کر دیا۔ جیسے ہی خون مریدین کو نظر آیا تو سب کے سب فرار ہو گئے صرف ایک کھڑا رہ گیا تو بزرگ اس مرشد کو مخاطب ہوئے کہ پہلے درجہ آدھا ہے وہ موت کو بغیر دیکھے آیا اور دوسرا موت دیکھ کر آیا اس کا پورا درجہ ہے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ باقی سب طالب ناقص تھے جو ماحول کی وجہ سے طالب بنے ہوئے تھے۔ اس مثال سے مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ طالب صادق وہ ہوتا ہے جو مرشد پر یقین کامل رکھتا ہے اور مرشد کے ایک اشارے پر خلوص دل کے ساتھ اپنی جان، مال قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہو۔ یہ طالب مولیٰ کا ابتدائی مقام ہے جو اس مقام تک نہیں پہنچا وہ طالب مولیٰ نہیں بلکہ خواہش اور نفس کا قیدی ہے اور غلط فہمی کا شکار ہے۔ ایسے طالب کو چاہئے کہ مرشد اکمل کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔

جب طالب مولیٰ ثابت قدمی کے ساتھ کسی بھی امتحان کی صورت میں اپنا مال یا جان پیش کرتا ہے تو

مرشد طالب کو دکھا دیتا ہے کہ اس کام میں کیا حقیقت تھی۔اس قربانی سے نہ صرف طالب کے مراتب بلند ہوتے ہیں بلکہ مرشد کی بارگاہ میں مقبول ہوتا ہے کیونکہ مرشد کے ہر کام میں حکمت الٰہی پوشیدہ ہوتی ہے جیسا کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔''مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے بار بار تکرار کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس عمل کی حقیقت ان پر واضح کی جیسا کہ فرمان ہے۔''وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر پر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور مہربانی میں قریب عطا کرے''۔یعنی حضرت خضر علیہ السلام کے اس کام میں رب کریم کی حکمت پوشیدہ تھی جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں آپ کا ایک مرید حاضر ہوا اور سوال کیا کہ حضور طالب کیسا ہونا چاہئے اور مرشد کو کیسا ہونا چاہئے؟ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ تمہیں کسی دن بتاؤں گا۔کچھ عرصہ گزرا اس مرید کی شادی تھی۔آپ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مرید کو دائیں سمت میں جانے کا اشارہ دیا اور روانہ ہو گئے۔طالب نے سوچا میرے مرشد پاک نے مجھے اس طرف جانے کا حکم فرمایا ہے۔اس طالب کا کمال اعتقاد اس نے یہ نہیں سوچا کہ میری شادی ہو رہی ہے۔اسے یقین ہو گیا کہ اس اشارے میں کوئی حکمت ہے وہ شادی کو چھوڑ کر اس سمت روانہ ہو گیا۔تین دن کی مسافت کے بعد ایک مقام پر پہنچا تو ایک سفید ریش بزرگ آ گئے انہوں نے کہا کہ تمہیں حضرت غوث اعظم نے بھیجا ہے۔اس طالب نے جواب دیا کہ مجھے حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے بھیجا ہے تو اس بزرگ نے تین سو دینار دیئے کہ یہ حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرنا یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔اس طالب کی دلیل بنی کہ شاید حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے اسی مقصد کے لئے بھیجا ہے۔وہ واپس روانہ ہوا راستے میں اسے ایک مجمع نظر آیا وہ رک گیا معلوم کرنے پر پتا چلا کہ کسی ملک سے یہاں پر ایک طائفہ آئی ہوئی ہے۔دیکھنے میں اس کا حسن بے مثال ہے وہ سو درہم میں اپنا چہرہ دکھاتی ہے' سو درہم میں کلام کرتی ہے اور سو درہم میں برائی کی طرف راغب کرتی ہے۔اس طالب کے دل میں خیال آیا کہ چلو دیکھیں تو سہی کہ کیسی ہے۔اس نے سو درہم ادا کئے جب اس کو دیکھا تو فریفتہ ہو گیا اور دو سو درہم بھی دے دیئے وہ عورت اسے کمرے میں لے گئی جیسے ہی یہ کمرے میں پہنچا تو چلا کر بھاگا اس عورت نے پوچھا کیا ہوا تو اس نے جواب دیا کہ میرے مرشد کریم میرے سامنے آئے ہیں اور سختی سے میری طرف دیکھا میں چلتا ہوں نہیں تو وہ مجھ پر ناراض ہوں گے۔اس عورت پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اس نے کہا۔اے شخص تیرا مرشد تجھے اتنی دور برائی سے بچا رہا ہے تو مجھے بھی اس کے پاس لے چل۔وہ طالب راضی ہو گیا دونوں مرشد کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے میرے مرید تو نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ مرشد کیسا ہونا چاہئے اور طالب کیسا ہونا چاہئے۔آپ نے فرمایا کہ طالب تجھ جیسا ہو کہ مرشد کے اشارے پر عقل کو قربان کر دیا اور مرشد کے حکم پر عمل کیا اور مرشد مجھ جیسا ہو کہ طالب نے برائی کا ارادہ کیا تو مرشد نے

اسے گناہ کرنے سے بچالیا/ پھر آپ نے فرمایا جس لڑکی سے تمہاری شادی ہو رہی تھی۔ وہ تمہاری رضائی بہن تھی۔ جس کا تمہیں علم نہ تھا اس لئے تمہارے مرشد نے تمہیں ایک کبیرہ گناہ سے بھی بچالیا۔

سبحان اللہ! رب کریم ایسا مرشد ہر طالب حق کو عطا کرے۔ حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد اکمل ہر مقام پر حاضر ہوتا ہے اور ہر قدرت پر قادر ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مرشد اکمل پر ایمان اور اعتقاد کی کیا اہمیت ہے۔ اس لئے طالب مولیٰ کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر عمل کو اپنے مرشد کے ایمان و اعتقاد کے ساتھ مشروط کرے کیونکہ اکثر طالب اس مقام سے ہی گر جاتے ہیں جبکہ یہ بنیادی منزل ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مرشد سیدھا کسی امتحان میں نہیں ڈالتا بلکہ حوادث دنیا کے سبب طالب مولیٰ کو امتحانات میں ڈالا جاتا ہے۔ کیونکہ سروری قادری جامع اکمل' نور الہدیٰ مرشد کے حکم اور مرضی کے بغیر طالب مولیٰ کو چیونٹی بھی تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ مرشد کامل روزمرہ کے حالات و معاملات میں الجھن اور پریشانی پیدا کر کے طالب مولیٰ کے ایمان و اعتقاد کا امتحان لیتا ہے۔ یہ امتحان پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے پہلے میں تو مرشد خود حکم دیتا ہے جبکہ جو امتحانات روزمرہ معاملات سے طالب مولیٰ سے لیتا ہے اس میں مرشد خاموش رہتا ہے اور دیکھتا ہے۔ مثلاً طالب کے معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں' راہ فقر میں آنے کے بعد بعض دفعہ رزق میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب طالب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید راہ فقر پر آنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ بعض طالب اس وسوسہ کی وجہ سے مرتد ہو جاتے ہیں۔ بعض صبر اور تسلیم و رضا کو ترک کر دیتے ہیں اور مرشد کے پاس دعا اور تعویزوں کے لئے چلے آتے ہیں۔ بعض مرشد کی بارگاہ میں سفارشیں تلاش کرتے ہیں کہ ان پر سے یہ حالت اٹھالی جائے اور بعض اس کو حوادث دنیا سمجھ کر دنیا کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ طالب مولیٰ کے لئے یہ تمام کیفیات باطل اور خسارے کا باعث بنتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں طالب مولیٰ کو چاہئے کہ تسلیم و رضا سے اس کیفیت میں رہے اور شکر بجالاتا رہے۔ کیونکہ رب کریم آسائش دے کر بھی آزماتا ہے اور تنگی دے کر بھی۔ اس لئے طالب کے اندر شکر و تسلیم و رضا دیکھتا ہے تو فوراً اس پر سے یہ امتحان اٹھا لیتا ہے اور اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے جبکہ دوسری صورت میں بہت سے طالب اس کیفیت میں اور آہ و زاری میں مدتیں گزار دیتے ہیں اور آخر دنیا کے طلب گار بن جاتے ہیں۔

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ محمود اور ایاز کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن محمود نے ایاز کو بلایا اور سخت کڑوے خربوزے منگوائے اور اپنے ہاتھ سے کاٹ کر اسے کھلانے شروع کئے ایاز ان کو اس طرح کھاتا رہا کہ جیسے میٹھے ہوں۔ بادشاہ حیران ہوا اس نے سوال کیا۔ اے ایاز تمہیں کڑواہٹ محسوس نہیں ہو رہی تو ایاز نے جواب دیا اے بادشاہ اس تیرے ہاتھ سے میں نے ہزاروں شیریں خوان کھائے ہیں۔ میری غیرت گوارا نہیں کر رہی کہ میں تیری اس تکلیف پر ناشکری کروں۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے انسان رب کائنات کے تجھ پر پل پل میں کروڑہا احسانات ہیں جب وہ تجھے آزماتا ہے تو تو

ناشکری پر اتر آتا ہے۔

مرشد پر ایمان طالب مولیٰ کو رجوعات خلق سے محفوظ رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ایک اور نتیجہ اخذ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ''ان کا باپ نیک آدمی تھا آپ کے رب نے چاہا کہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے''۔ غور فرمائیں کشتی کو بھی حضرت خضر علیہ السلام نے سوراخ دار کیا اور بچے کو بھی خضر علیہ السلام نے قتل کیا۔ قرآن مقدس میں پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ ''خضر (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ ہم نے چاہا کہ ان غریبوں کی کشتی کو ظالم بادشاہ سے بچالیں اور اس آیت میں ارشاد ہے کہ آپ کے رب نے چاہا کہ بچوں کو انکا خزانہ ملے''۔ غور فرمائیں کہ قرآن مقدس کی کتنی واضح دلیل ہے کہ مرشد اکمل اور رب کا فرمان ایک ہی ہے اور جو اس میں شک کرتا ہے وہ قرآن کریم کا انکار کرتا ہے اور قران کا منکر کافر ہے۔ طالب مولیٰ کو چاہئے کہ جو بھی شخص چاہے وہ اس کا کتنا ہی قریبی ہو اگر اسے مرشد اکمل سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے یا مرشد اکمل کی شخصیت پر کوئی بات کرتا ہے تو طالب کو چاہئے کہ اسے اس کے تعلق سے بے تعلق ہونا بہتر ہے کیونکہ وہ طالب مولیٰ کے لئے شیطان کا روپ ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اے نبی (ﷺ) آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہاری بیویاں تمہارا قبیلہ تمہارا کمایا ہوا مال واسباب اور تجارت جس میں نقصان کا تمہیں اندیشہ ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات تم کو اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (عذاب) حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا'' (سورۃ التوبہ)۔ فرمان خداوندی ہے۔ ''اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا''۔ حاصل کلام حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ یہ میں نے اپنے نفس کی خواہش سے نہ کیا بلکہ یہ تو حکم ربی تھا۔

پس طالب مولیٰ کو چاہئے کہ اعتقاد رکھے کہ رزق مقرر ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ صرف اعتقاد کی بات ہے۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جزیرے پر ایک بھیڑیا رہتا تھا وہ اکیلا ہی رہتا تھا۔ جزیرہ ہرا بھرا تھا وہ بھیڑیا صبح سے کھانا شروع کرتا تھا شام تک سارا جزیرہ کھا جاتا تھا۔ پھر رات کو غم میں نڈھال رہتا تھا کہ کل کیا ہوگا۔ صبح اٹھتا تو سارا جزیرہ دوبارہ ہرا بھرا ہوتا تھا۔ پھر شام تک کھا جاتا اور رات کو پھر غم میں رہتا تھا۔ سالہا سال سے اس کی زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی۔ ہر روز اس کو رزق مل جاتا تھا لیکن ہر روز وہ آنے والے دن کے لئے پریشان رہتا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے طالب حق اس بھیڑیے کی طرح نہ بن تیرا مالک خیر الرازقین ہے تو اس پر یقین رکھ اور ایمان رکھ' تیرے بچوں کا بھی وہی مالک ہے تیرے مال واسباب کا بھی وہی محافظ ہے تیری شادی تیری خوشی غمی سب اس کے امر کے تابع ہیں تو پھر تو کیوں اپنے عقل کے گھوڑے پر سوار اس دنیا کا طواف کر رہا ہے' فکر کر اور اپنے مالک حقیقی کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوجا کیونکہ وہاں سے تجھے وہ نصیب ہوگا جو تجھے ازل میں نصیب تھا اور ابد

تمہیں صرف ان لوگوں کا نصیب ہے جو دنیا میں اسے حاصل کر گئے وہ کیا ہے؟ وہ دیدار باری تعالیٰ ہے۔ ہوشیار ہو جا کمر بستہ ہو جب تیری منزل تیرے سامنے ہے تیرا مالک تجھ سے ہم کلام ہوتا ہے پھر کیوں اس کمینی دنیا پر اپنے مالک کی محبت کو قربان کرتا ہے۔ تو اپنی رضا کو اس کی رضا پر قربان کردے وہ ساری کائنات کو تیری رضا کے تابع کردے گا' پریشان نہ ہو اگر تو اس کی غلامی کو برقرار رکھنے کے لئے قربانی کئے ہوئے ہے تو وہ تیری قربانی کے بدلے میں تجھے اپنا آپ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا میں اس کے قلب کی ودیعت ہوں ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دل میں اپنے مالک حقیقی سے محبت کی شمع روشن کئے ظاہر اور باطن میں اس کے دیدار میں مگن رہ اور اس کے حکم کا منتظر رہ۔ خدارا اگر تو رجوعات خلق یعنی دنیا کی کشش کا شکار ہے اور طلب دنیا رکھتا ہے تو اس کو ختم کر کیونکہ فرمان ہے۔ جو اپنی خواہش پر چلتا ہے اسے ہم تڑپا دیتے ہیں اور ہوتا وہی ہے جو ہماری خواہش ہوتی ہے۔ مزید فرمایا کہ اے دنیا اللہ کے غلام ہو جا جو ہمارا غلام ہو گیا اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تو اپنے بال بچوں کا رازق ہے تو اے طالب حق اس کفر سے نکل اپنی تکلیفوں پر شکر نہیں کرسکتا تو اس کا مورد الزام اپنے مالک کو نہ ٹھہرا بلکہ اس کو اپنے نفس کی طرف منسوب کر۔ عنقریب وہ تجھے وہ باغ و بہار عطا کرے گا کہ تو اپنے مالک پر راضی ہو جائے گا جیسا کہ فرمان ہے وہ اللہ پر راضی ہیں اور اللہ ان پر راضی ہے۔

تصوف کیا ہے؟

اگرچہ تصوف بیشتر پاکستانیوں کے لئے مختلف سطحوں پر ایک زندہ حقیقت ہے۔ مگر ہمارا دانشور طبقہ بھی اس کی عمارت اور تصورات سے مکمل طور پر آشنا نہیں۔ اس مضمون کا مقصد اس مقتدر اسلامی روایت کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کرنا ہے۔ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی لامحدود وحدت کے بحر بیکراں سے اس کی ربوبیت کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ یہ مد ہے جو ہمارے اس محدود جہان فانی کے ساحل سے ٹکرا کر واپس اس کی طرف لہر صورت میں لوٹ جاتی ہیں۔ تصوف ان واپس مڑتی ہوئی لہروں میں چھلانگ لگانیکی وہ سائنس اور آرٹ ہے جو انسانی روح کو اس غیر فانی اور لامحدود ماخذ کی طرف لے جائے۔

قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ دور بھی ہے اور قریب بھی۔ وہ وراالورا بھی ہے اور شاہ رگ سے قریب تر بھی۔ عمومی طور پر بنیاد پرست علما اللہ کی ماورائیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جبکہ صوفیاء کرام اس کے قریب ہونے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ روایتی طور پر بنیاد پرست علما ظاہری پابندی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ جبکہ صوفیا ان عبادات اور رسوم کی ماہیت اور تعلق باللہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کو صوفیا سلوک کا نام دیتے ہیں اور اس مقدس راستہ پر سفر کرنے کے آداب اور ضبط و نظم کو جو صوفیاء کے مختلف مدارس فکر نے مفصلا مرتب کئے ہیں۔ طریقہ (جمع طروق) کہا جاتا ہے۔ مثلا پاکستان میں معروف طروق چشتیہ' قادریہ' سہروردیہ اور نقشبندیہ ہیں۔ جب کسی طریقہ کی کوئی شاخ ایسی ہو

جس کا درمیانی روحانی سربراہ کوئی رجل الغیب ہوتو اس طریقہ کے نام کے ساتھ اویسیہ کا تعارفی لقب لگا دیا جاتا ہے۔ان طروق کے اپنے اپنے اذکار اور اشغال ہیں۔مگر ان سب میں مشترک نسبت دل پر اللہ کی ضرب لگانا ہے۔عمومی طور پر کسی طریقہ میں شمولیت کے لئے مرید (ارادہ کرنے والا) کو کسی مستند استاد (مرشد) کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوتی ہے۔ہر طریقہ کی روحانی زنجیر (سلسلہ) اپنے اپنے بانی مرشد اعلیٰ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہوتی ہوئی ہادی اعظم سید کائنات خاتم الرسل سیدنا محمد ﷺ سے جاملتی ہے۔ماسوائے طریقہ نقشبندیہ کے جس کے سلسلہ کی ماقبل آخری کڑی خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔کسی طریقہ کے مجوزہ (سلوک) پر سفر کرنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔مرشد کا کام ہے کہ اپنے مرید کے اندر چھپے ہوئے انا کے بتوں کو ایک ایک کر کے توڑ دے اور اس کے قلب کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کر دے۔اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مرشد کا بھی جاسوس القلب ہونا ضروری ہوتا ہے۔علما جو کچھ زبان سے کہتے ہیں صوفیاء اس کو عمل میں دکھاتے ہیں۔پندونصیحت حال کی زبان سے موثر ہوتی ہے قال کی زبان سے کچھ نہیں ہوتا۔خانقاہ میں مرید کی تربیت قلت طعام قلت کلام قلت منام قلت صحبت اور کثرت خدمت سے کی جاتی ہے۔مرشد کا یہ کام ہوتا ہے کہ مرید کا سینہ صیقل کر کے آئینہ کی مانند کر دے تا کہ اس پر اللہ کی تجلیات منعکس ہوں۔مرشد جانتے ہیں کہ کسی باکردار کافر کی اصلاح تو آسان کام ہے لیکن ایک بے کردار منافق کی اصلاح نہایت ہی دشوار ہوتی ہے۔شوق وطلب کی ان طویل اور کٹھن راہوں میں سالک اپنے کسب اور مشقت پر بھی انحصار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور عنایات کا بھی طلبگار رہتا ہے۔وہ اپنی محنت مسلسل سے مقامات کماتا ہے جبکہ احوال اسے اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوتے ہیں۔مقامات مستقل ہوتے ہیں جبکہ احوال (مفرو حال) عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔شیخ ابو النصر السراج کے مطابق مقامات سات ہیں یعنی توبہ اجتناب زہد فقر صبر توکل اور رضا جبکہ احوال دس ہیں یعنی مراقبہ قرب محبت خوف رجا شوق انس اطمینان مشاہدہ اور یقین۔تاہم چند اکابر صوفیا کا یہ خیال ہے کہ اللہ کی طرف روح کے سفر کے دوران اتنی غیر متعین کیفیتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مستند تصوراتی خاکہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔لاکھوں جو سلوک کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان میں سے صرف چند ایک ہی آخری منزل کو پاتے ہیں اور ان کو ولایت کا درجہ نصیب ہوا ہے۔ہر ولی کو ولایت (تقدس) کا درجہ ملتا ہے مگر ان میں سے معدودے چند کو ولایت بھی مرحمت ہوتی ہے یعنی ان کو مسند ارشاد اور روحانی مملکتیں عطا ہوتی ہیں۔کلیۃ الاولیا کے مناسب صعوداس طرح ہیں۔تین سو اخیار چالیس ابدال سات نجبار چار اوتاد تین نقباء اور ایک قطب یا غوث۔کئی بار جب نقباء کو بھی قطب کا نام دے دیا جاتا ہے تو قطب وقت کے وصال پر ان نقباء ہی سے ایک کو قطب بنایا جاتا ہے۔کلیۃ اولیاء کے دائمی سربراہ سیدنا شیخ محی الدین محمد عبدالقادر الگیلانی رحمتہ اللہ علیہم ہیں۔اس نسبت سے ان کا لقب غوث الاعظم ہے۔

مندرجہ بالا روحانی درجہ بندی کے متلاشی اللہ تعالیٰ کے عشاق یا فقرا ہیں' جن کی اللہ سے محبت فقط اس ہی کے لئے ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی بھی آلائش نہیں ہوتی۔ یہ عشاق اپنی سچی اور خالص محبت کے صلے میں اللہ سے کسی بھی قسم کے مادی یا روحانی انعام کے طلب گار نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا مطلوب و مقصود فقط اللہ ہوتا ہے۔ حضور غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق عشاق کا مقام اولیاء اللہ سے اوپر ہے۔ ان عشاق کے طبقہ میں ایک غیر مقلد' آزاد فرد بھی ہوتا ہے' جسے قلندر کہا جاتا ہے۔ قلندر سلوک کے راستے پر نہیں چلتا' اس لئے وہ 'مقامات' پر تو فائز نہیں ہوتا مگر 'احوال' میں وہ اولیاء اللہ سے بہت آگے نکل جاتا ہے۔ اس کا کوئی مرشد بھی نہیں ہوتا جو اسے سنبھال سنبھال کر یہ سفر کرائے۔ ایک لمحہ میں اللہ کا عشق اس پر اس بے اختیاری اور شدت سے سوار ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے ذات الٰہی کی طرف چھلانگ لگا دیتا ہے۔ اس کی اس اڑان میں کیونکہ اسے سرور کائنات ﷺ کی شفا نصیب نہیں ہوتی' اس لئے ذات الٰہی کی تجلیات اسے جلا کر راکھ بنا دیتی ہیں۔ اس کا انحصار اس کی اڑان کی شدت اور استقامت پر ہے کہ جب وہ دنیا میں واپس آتا ہے تو اس کے ہوش و حواس قدرے قائم ہوتے ہیں یا نہیں۔ جو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے' اسے مجذوب (جذب ہو جانے والا) کہا جاتا ہے۔ قلندروں کے درجات کا انحصار ان کے جلنے پر ہے۔ جو بھی زیادہ جل گیا وہی افضل ہے۔ ان میں سب سے اعلیٰ مقام پر وہ فائز ہوتا ہے جس کی راکھ بھی باقی نہ رہے' کیونکہ راکھ بھی دنیا کا ہی حصہ ہے۔ کیونکہ قلندروں کا تعلق براہ راست اللہ سے ہوتا ہے اور ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔ اس لئے اولیاء اللہ بھی ان سے خائف ہوتے ہیں۔ قلندر اولیاء کے محتسب ہوتے ہیں۔ گو اولیاء اللہ کے بھی اپنے قلندر ہوتے ہیں۔ جو اللہ کی بجائے' ان میں جذب ہو گئے ہوتے ہیں۔ سالک جب اپنی منزل کو پا لیتا ہے تو مراقبے میں اللہ کے جمال کے نور سے منور ہو جاتا ہے جبکہ قلندر اپنے عشق کی آگ میں اللہ کے جلال سے بھسم ہو جاتا ہے۔ ایک سالک یا درویش تصوف کا طالب علم ہوتا ہے جبکہ صوفی اس مدرسہ کا ایک فارغ التحصیل سند یافتہ فرد ہوتا ہے۔

تصوف ظاہری دنیا سے قطع تعلق کا نام نہیں بلکہ یہ دنیاوی حرص سے باطنی بے تعلقی یا قناعت کا نام ہے۔ صوفی اپنا باطنی تعلق دوسری دنیا سے جوڑے رکھتا ہے اور حالت استغراق میں رہتے ہوئے بھی وہ اس دنیا میں ایک فعال زندگی بسر کرتا ہے۔ دنیوی زندگی کا قیدی بننے کی بجائے وہ اپنی روحانی بصیرت کے مطابق اس دنیا کی تعمیر نو میں مشغول رہتا ہے۔ انسان اقرار تو ایک ہی اللہ کا کرتے ہیں مگر اپنی عملی زندگیاں اور ڈھب سے گزرتے ہیں جیسے کئی ایک خدا ہوں۔ تصوف اس شرک کو عیاں کر کے انسان کی روح کو اس مہلک مرض سے نجات دلانا چاہتا ہے اور انسان کو ایسے مقام پر فائز کرنا چاہتا ہے جو اس کے شایاں شان ہو۔

طریق تصوف اور صوفیاء کرام

لفظ تصوف عربی زبان سے ہے۔ بعض محققین اسے صوف (اون کا لباس) سے مشتق کرتے ہیں اور

بعض کے نزدیک صفا (صفائی باطن) سے مشتق ہے۔ وہ محققین جو تصوف پر تحقیق رکھتے ہیں وہ اس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔ علیکم بلبس الصوف یجدو حلاوہ الایمان فی قلوبکم ''صوف کا لباس اختیار کرو اپنے دلوں میں حلاوت ایمان پاؤ گے''۔ جان کائنات ﷺ کے حسب بالا حکم کی روشنی میں بعد خلفائے راشدین' صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین تا متاخرین رضی اللہ عنہم میں سے بیشتر نے لباس صوف اختیار فرمایا جیسا کہ

☆ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ۷۰ اصحاب بدر کو دیکھا جو پشمینہ پوش تھے اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو میں نے بحالت تجرید دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے صوف کا لباس زیب تن فرما رکھا تھا (کشف المحجوب' باب چہارم)۔

☆ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اولاً پوشاک پشمینہ یعنی لباس صوف پہنا کرتے تھے (تاریخ مشائخ از محمد بن حاکم ترمذی)۔

☆ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن دینار اور حضرت داؤد طائی مرقعہ صوف زیب تن فرماتے (کشف المحجوب' باب چہارم)۔

اب ان محققین کے اقوال و دلائل پیش کرتے ہیں جو صفا (صفائی باطن) سے بحث رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک محض لباس صوف معیار فقر نہیں کیونکہ مقصود تصوف (طریق تصوف) صفائی قلب و باطن ہے جیسا کہ حدیث محبوب کریم ﷺ میں وارد ہے۔ ''ہاں بیشک جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو تمام جسم فاسد ہوتا ہے۔ ہاں وہ قلب ہے''۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب باب سوم میں رقمطراز ہیں۔ ''لوگوں نے تصوف کے نام میں بہت اقوال بیان کئے ہیں اور کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں ایک گروہ نے کہا کہ صوفی کو اس سبب سے صوفی کہتے ہیں وہ لباس صوف پہنتا ہے اور ایک گروہ نے کہا کہ صوفی اس سبب سے صوفی ہوتے ہیں کہ یہ گروہ صف اولین ہوگا اور بعض نے کہا کہ اس لئے صوفی کہلائے جاتے ہیں کہ انہوں نے اہل صفہ کی محبت اور کام اختیار کئے اور بعض کا قول ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے اور ہر ایک کے واسطے ان معنوں میں اس طریق کے تحقیق کرنے میں بہت لطیفے ہیں لیکن اقتضائے لغت ان معنوں سے دور ہے پس ہر سال میں صفائی اچھی ہوتی ہے اور کدورت اس کی ضد ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ ذھب صفوۃ الدنیا وبقی کدورھا یعنی ''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی'' اور ظاہر ہے کہ لطیف و صاف چیز اور میل و کدور چیز علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ اہل تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاقی' معاشی' مہذب کر لئے اور اپنا دل کدورت و آلات دنیا سے صاف فرما لیا اس لئے انہیں صوفی کہا گیا''۔

حجۃ الاسلام حضرت سید امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے مجرد

کرنے یا علیحدہ کرنے اور ماسویٰ اللہ کو حقیر جاننے کا نام ہے اور وہ صفا سے مشتق ہے"۔ شیخ الجن والانس سیدنا حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "صوفی دراصل فوعل کا وزن ہے اور مصافات سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صوفی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے صاف کر لیا ہو یعنی جو شخص نفس کی آفتوں اور برائیوں سے صاف ہو"۔ درج بالا دلائل سے یہ پہلو واضح ہوا کہ لفظ تصوف صفا سے مشتق ہے (جس کی محققین کے نزدیک مختلف تعریفیں ہیں ۹ کیونکہ اگر صرف صوف کو معیار تصوف ٹھہرالیا جائے تو تصوف کی تعلیمات و مقصود کا مطلوبہ معیار پورا نہیں ہوتا کیوں کہ صرف صوف (اون کا لباس) پہن کر صوفی نہیں کہلایا جا سکتا اس لئے کہ صوفی وہ کہلا سکتا ہے جو تعلیمات تصوف (جو خالصتاً قرآن وسنت کی بنیاد پر ہیں) پر عمل پیرا ہو کر ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو اور تمام تر کدورتوں سے پاک ہوتے ہوئے تقرب الٰہی کی عظمتوں کو چھو رہا ہو۔ یہاں یہ نکتہ بھی عرض کروں کہ صوفیا کے نزدیک صفا کے معنی محدود نہیں بلکہ یہ لفظ تہذیب نفس سے لے کر معاملات تقرب کی تمام تر وسعتوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس لئے جس کے نزدیک تہذیب نفس سے لے کر معاملات تقریب تک جتنا ادراک کسی کو ہو اس کے نزدیک صفا کا مفہوم و معنی بھی اسی قدر ہے۔ یاد رہے کہ لفظ تصوف صفا سے مشتق ہے اور اصحاب صفا اہل تصوف یا صوفیا کہلاتے ہیں۔ اہل تصوف کے علم و حقائق کو علم و حقائق تصوف کہا جاتا ہے۔

علم تصوف

علم تصوف میں رب العالمین کی ذات وصفات کے حقائق اور معرفت الٰہیہ کی غرض و غایت کی نسبت بحث ہوتی ہے اور اس میں ان اعمال واشغال اور ذکر وفکر کا تذکرہ ہوتا ہے جو تزکیہ نفس اور طہارت بدنی و قلبی کا موجب بنتے ہیں اور یہ تمام اعمال و اشعال مسلسل؛ قرآن وسنت کی بنیاد کما حقہٗ اخلاص وصدق کی بنیاد پر اور فقط رضا و قرب الٰہی کے لئے ہوتے ہیں۔ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ والذین جاھدو افینا لنهدينهم سبلنا "اور جو لوگ جدوجہد کرتے ہیں ہماری رضا کے لئے ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں"۔ اسلام میں ابتداء ہی سے تصوف عملی شکل میں موجود تھا لیکن علم التفسیر و علم الحدیث اور علم فقہ کی طرح اس نے علمی صورت زمانہ مابعد اختیار کی اور اسلامی تصوف اپنے تمام تر پہلوؤں اور حوالوں سے خالصتاً قرآن مجید و احادیث نبوی ﷺ کی بنیاد پر استوار ہے۔ جس پر صحاب تصوف کی سیرتیں شاہد ہین جن کا مختلف پیرائوں میں درج ذیل ہیں۔

☆ حضرت سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بابت فرمایا۔ "تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے" (کشف المحجوب)۔

☆ حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "تصوف نام ہے تمام حظوظ نفسانیہ کا ترک" (کشف المحجوب)۔

☆ حضرت مصری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف نام ہے اپنے ضمیر کو مخالفت حق سے محفوظ رکھنے اور اس

کے جلوا انوار بیت کو کدورت واوہام سے بچانے کا" (کشف المحجوب)۔

☆ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تصوف کے معنی ہیں کم کھانا اور خدا سے قربت حاصل کرنا اور مخلوقات سے بھاگنا" (تذکرۃ الاولیاء)۔

☆ حضرت خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے۔"حقائق کو گرفت میں لانا' دقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا تصوف ہے" (تذکرۃ الاولیاء)۔

مختصراً تصوف نام ہے نفس کو عبودیت کے لوازم کا پابند کرنے کا۔ تصوف نام ہے راضی برضا رہنے کا۔ تصوف نام ہے جہاد اکبر کی طرف رجوع کرنے کا۔ تصوف نام ہے ان وجدانی کیفیت کا جو ادراک وفہم سے بالا ہیں۔ بس جس نے جس قسم کی اور جس مقام کی کیفیت کا مشاہدہ کیا وہی اس کے لئے تصوف ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک تصوف کی کوئی جامع تعریف نہیں ملی۔ اس لئے پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف Mystice of Islam کے صفحہ نمبر 13 پر لکھتے ہیں "اگرچہ عربی اور فارسی کتب میں اس کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں اور وہ تاریخی لحاظ سے کافی دلچسپ بھی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف ناقابل تعریف ہے"۔

اہل تصوف (صوفی)

تصوف چونکہ ایک ذوقی و وجدانی شے ہے۔ اس لئے احاطہ فہم وادراک سے ماورا ہے۔ اسی طرح اہل تصوف (جو صادق سالک' مجذوب' شاہد مکاشف' موقن' محب' راہبر' قائد دستگیر' نائب گویا مخزن اسرار الٰہی اور انوار لامتناہی ہوتا ہے) کی بصیرت و بصارت اور مقام کا احاطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے مگر ان اصحاب تصوف کے تصرفات وفیوضات اور کاملیت کا ایک سطحی جائزہ اولیائے معظمین واکابرین کے اقوال سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمان الٰہی کو ماننے والا ہو۔ اس میں تسلیم ورضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح' اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح' سلوک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح' بصیر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح' شوق حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح' شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اور فقر سیدنا سرکار دو عالم ﷺ کی طرح کا ہو (تذکرۃ الاولیاء)۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔"صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو نہ کسی کی ملک" (کشف المحجوب)۔ حضرت سہل ابن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے۔"صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پر ہو اور قرب الٰہی میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی آنکھوں میں خاک و سونا برابر ہوں" (تذکرۃ الاولیاء)۔

حضرت مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔"صوفی وہ ہے کہ اس کی ہستی کو نیستی نہ ہو اور اس کی نیستی کو

ہستی نہ ملے" (کشف المحجوب)۔ حضرت سیدنا ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کو اس زمانہ کی طرح رہنا چاہیے جبکہ وہ وجود میں نہ آیا تھا" (تذکرۃ الاولیاء)۔ حضرت مخدوم الاولیا خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "صوفی وہ ہے جو ہر حال میں رضائے الٰہی کے تابع ہو" (فتوحات مخدوم الاولیاء)۔ غرضیکہ صوفی یعنی اہل تصوف وہ ہے جو قرآن حکیم کے اس حکم کا مصداق ہو۔ واتبع سبیل من اناب الی یعنی "ایسے شخص کی پیروی کرو جس نے ہماری طرف رجوع کیا ہو"۔

مقصد تصوف

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
هیچ آهن خود بخود تیغے نہ شد

یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ انسان کو کسی بھی علم وفن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے کسی کامل استاد کی طرف رجوع کرنا لازم ہوتا ہے تاکہ وہ اس کی راہنمائی کرتے ہوئے تزکیہ تصفیہ نفس، پہچان، جواہر عامہ و قامہ اور روحانی، اخلاقی، وجدانی، حقیقی اقدار کے حصول کے لئے کسی اہل تصوف کی ضرورت پڑتی ہے جب اپنی کامل بصیرت اور تصرفات روحانیہ سے مقصد حقیقی ازلی وفضلی کی طرف مطلوب کی راہنمائی کرے اور منزل سے آشنا کرے۔ یہی مقصد تصوف اور اہلیان تصوف کا فریضہ ہے۔ بقول شخصے "حق تعالیٰ کا بھید کتابوں میں نہیں ملتا کیونکہ اسرار و رموز کتابوں کے اوراق سے ماورا ہیں" (سکینۃ الاولیاء)۔ پس واضح ہوا کہ حصول علم باطن اور تہذیب نفس کے لئے کسی مرد حق آگاہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی شخص محض اپنی انفرادی کوششوں سے اوج روحانیت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس میں گمراہی کا احتمال ہوتا ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
هست راه پر آفت و خوف و خطر

اس لئے لازم ہے کہ جو شخص اپنے مقصد حیات تک رسائی چاہے وہ پہلے وسیلہ (اہل تصوف) کا متلاشی ہو جس کی تائید میں ارشاد ربانی ہے۔ یاایہا الذین امنوا اتقو اللہ واتبعو الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ" (قرآن)۔

بیعت

تہذیب نفس اور معرفت الٰہی کے حصول کی خاطر کسی اہل تصوف (مرشد کامل) کی راہنمائی درکار ہوتی ہے۔ مگر اہل تصوف کی تعلیمات وارشادات (جو قرآن وسنت کی بنیاد پر خالصتاً ہوتی ہیں) پہ عمل پیرا ہونے کے لئے عہد کرنا بھی ضروری ہے اور اس عہد کو بیعت کہتے ہیں۔ بیعت کے معنی یہ کئے جاتے ہیں۔

اتباع کرنا' وعدہ کرنا' اطاعت کا طوق گلے میں ڈالنا' شیخ کامل کا مرید صادق ہونا وغیرہ۔ معنیٰ بیعت کے حوالہ سے تصنیف بہار عجم میں اس طرح بیان ہوا کہ بیعت سے مراد فرمانبرداری کرنا اور عہد پیان کرنا اور اخلاص سے اپنے آپ کو سنوارنا۔ اپنے آپ کو پہچاننا اور مرید بنانا اور بعض دفعہ مراد ہے نکاح۔ بیعت کا عمل تعلیمات قرآنیہ کے حوالہ سے کچھ اس طرح ہے۔ ارشاد ہوا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله یدالله فوق ایدیهم "بیشک وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے"۔ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ لقد رضی الله عن المومنین اذیبایعون تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم فنزل السکنة علیهم والیهم فتحا قریبا "اللہ کریم راضی ہوا ان ایمان والوں پر جنہوں نے (اے محبوب ﷺ) آپ کی بیعت کی نیچے درخت کے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے پس اللہ نے ان پر سکینہ نازل فرمایا اور انعام میں ایک فتح بخش دی"۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ عن بن عمر رضی الله عنه قال کنا اذابایعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم علی السمع والطاعة ویقول لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم استطعمنة "ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم جس وقت بیعت کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کی' قبول کرنے احکام دین اور فرمانبرداری کے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ اپنی طاقت کے موافق اطاعت کرلو"۔ ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق محبوب کریم ﷺ نے بیعت اختیار فرمائی اور اسی کو بعدہ خلفائے راشدین تابعین تا متاخرین اور اولیائے معلمین نے اسے تحریک و مقصد حقیقی کے لئے اپنایا۔ بقول حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ۔

چوں تو ذات پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد بہم رسول

بیعت کا ثبوت

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله یدالله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیما "(اے جان عالم ﷺ) بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا"۔

چونکہ شیخ کے دست اقدس پر بیعت کرنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے توڑنے پر تنبیہ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واوفوا بعهد الله

اذا عاهدتم ولا تنقضو الایمان بعد توکیدها وقد جعلتم الله علیکم کفیلا ''اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو اپنی قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اوپر گواہ''۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا ''اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا'' (سورۃ الاسرار)۔

سنت مطہرہ

سنت مطہرہ میں بیعت وتلقین کی کوئی ایک صورت نہ تھی بلکہ مردوں، عورتوں، مختلف گروہوں اور نابالغ بچوں سے بھی بیعت لی جاتی تھی۔

مردوں کی بیعت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میری بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے۔ اسراف وفضول خرچی سے اجتناب کرو گے۔ زنا سے بچو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے پر بہتان طرازی بھی نہیں کرو گے۔ اچھے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ پس جس نے ان تمام احکام کو پورا کیا تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ہاں ہے اور جس نے ان میں کمی کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ہر سزا دے دی۔ تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا میں مبتلا کر دے۔ پس راوی (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کی ان تمام امور پر بیعت کر لی (بخاری ومسلم)۔

اجتماعی تلقین

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی اجنبی (اہل کتاب) تو نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ (ﷺ)! آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اپنی ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو لا اله الا الله ہم نے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا لا اله الا الله پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا الحمد لله اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کا حکم فرمایا اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا اور بیشک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔ (احمد، طبرانی، بزاز، مجمع الزوائد جلد اول صفحہ ۱۹)۔

انفرادی تلقین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین اور اس کے بندوں پر آسان ترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین ہو تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے علی (رضی اللہ عنہ) "اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی تمام لوگ ذکر کرتے ہیں مجھے کوئی خاص ذکر بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور سابقہ انبیاء علیہم السلام نے کہا وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اگر زمین و آسمان ایک پلڑے میں ہوں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں ہو تو یہ پلڑا دوسرے پر بھاری ہوگا۔ زمین پر جب تک لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا ہے۔ قیامت نہیں آئے گی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں کیسے ذکر کروں؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بند کرو اور تین دفعہ مجھ سے لا الٰہ الا اللہ سنو۔ پھر تم تین دفعہ کہو میں سنتا ہوں پھر اسی طرح بلند آواز کے ساتھ ذکر کیا۔

طبرانی، ابونعیم، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بشیر ابن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ کس بات پر میری بیعت لیتے ہیں؟ محبوب کریم ﷺ نے ہاتھ پھیلایا اور فرمایا کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، پانچ نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھے، زکوۃ مفروضہ کو ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، حج بیت اللہ کرے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دو باتوں کے علاوہ میں سب کو ادا کرسکتا ہوں۔ ان دو کی گنجائش نہیں۔ زکوۃ بخدا میرے پاس، دس اونٹوں کے سوا کچھ نہیں۔ جہاد میں بزدل آدمی ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ جو میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے وہ غضب خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ جنگ شروع ہو جائے اور میں ڈر کر بھاگ جاؤں تو اللہ کے غضب کا مستحق ہوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حرکت دی اور فرمایا۔ اے بشیر! صدقہ اور نہ جہاد تو پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے۔ میں نے عرض کی ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے آپ ﷺ کی دست اقدس پر ان تمام چیزوں پر بیعت کرلی۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ۔ مجھے بیعت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تجھے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں تو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے۔ نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، مسلمانوں کو نصیحت کرے اور شرک سے برأت کا اظہار کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب بھی سمع و طاعت پر بیعت کرتے تو نبی کریم ﷺ ہمیں ارشاد فرماتے کہ میں ان چیزوں پر تم سے بیعت لیتا ہوں۔ جن چیزوں کی تم طاقت رکھتے ہو (بخاری، مسلم)۔

عورتوں کی بیعت

حضرت سلمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور انصار کی عورتوں کے ساتھ مل کر بیعت لی۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس شرط پر بیعت کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' نہ چوری کریں نہ زنا' نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں اور نہ ہی کسی پر بہتان باندھیں اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کریں اور فرمایا کہ نہ ہی تم اپنے خاوندوں کو دھوکہ دو۔ فرماتی ہیں کہ ہم نے بیعت کی اور واپس لوٹ آئیں۔ تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ واپس جاؤ اور حضور ﷺ سے پوچھو کہ ہمارے خاوندوں کے مالوں میں سے کون سی چیز ہمارے لئے حرام ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ہدیہ دینا (مسند احمد' طبرانی' مجمع الزوائد)۔

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ ہم اس شرط پر بیعت کرتی ہیں کہ نہ کسی کا اللہ کو شریک ٹھہرائیں گی' نہ چوری کریں گی' نہ زنا' نہ ہی اولادوں کو قتل کریں گی اور نہ ہی کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ ہی نیکی کے کام میں نافرمانی کریں گی تو محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔ ان میں سے جس چیز پر تم قدرت اور طاقت رکھتی ہو۔ تو ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہماری ذاتوں سے زیادہ ہم پر رحم فرمانے والے ہیں۔ تشریف لائیے ہم آپ کے دست اقدس پر بیعت کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ ایک عورت کے لئے میرا ارشاد سو عورتوں کو خطاب کرنے کے مترادف ہے (ترمذی و نسائی)۔ حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' نہ ہی چوری کرنا اور نہ زنا کرنا اور نہ ہی اپنے بچوں کو قتل کرنا نہ ہی کسی پر بہتان لگانا نہ ہی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کرنا (نسائی و ترمذی)۔ حضرت عزہ بنت خایل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ جان رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان امور پر بیعت کی کہ نہ زنا کریں گی' نہ چوری' نہ ہی اپنے بچوں کو زندہ درگور کریں گی' خواہ اعلانیہ ہو یا خفیہ۔ آپ فرماتی ہیں کہ اعلانیہ طور پر زندہ درگور کرنے کو تو میں جانتی ہوں مگر خفیہ طور زندہ درگور کرنے کے بارے میں میں نے نبی کریم ﷺ سے نہیں پوچھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے مجھے خبر دی۔ پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے مراد بچہ کو ضائع کرنا ہے۔ قسم بخدا میں کبھی بھی اپنے بچہ کو ضائع نہیں کروں گی (طبرانی' مجمع الزوائد)۔

نابالغ بچوں کی بیعت

طبرانی نے محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت امام حسن و حسین' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے بیعت لی۔ حالانکہ وہ ابھی چھوٹے تھے اور ان

بے حساب مخلوق داخل ہوئی۔ان کے اعمال واحوال بہتر ہو گئے اور بہترین مسلمان بن گئے۔حضور غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تربیت ونگرانی اور محاسبہ کا اہتمام کیا۔آپ کے روحانی شاگرد بیعت توبہ اور تجدید ایمان کے بعد معاشرہ کے ذمہ دار فرد بن گئے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم کی بیعت وعہد کا انفرادی اور اجتماعی تزکیہ نفس اور اصلاح میں انتہائی گہرا اثر ہے۔

دست بوسی قرآن وحدیث کی روشنی میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا ایک ایسا مستحسن فعل ہے جو رحمت دو جہاں ﷺ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مفسرین کرام اور محدثین عظام اور فقہائے کرام اور اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم سے ثابت ہے اور بعض ایسے لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں کے ہاتھ اور پاؤں پر سجدہ کرتے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ یہ سجدہ کرتے ہیں تو یہ ان کی کم علمی اور جہالت کی دلیل ہے کیونکہ ان کو سجدہ کی تعریف کا علم ہی نہیں ہے۔

سجدہ کی تعریف

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رحمت دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعضاء (بابا السجود علی سبعة اعظم) ''حاکم کائنات ﷺ نے حکم فرمایا کہ سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے (صحیح بخاری)۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سجد العبد سجد معه سبعة اعضاء وجهه وکفاه ورکبتاه وقدماه ''انہوں نے محبوب کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے ساتھ اعضاء چہرہ' دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں بھی اس کے سجدہ کرتے ہوں'' (ترمذی شریف)۔عارف باللہ حضرت محمد امین الکروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔السجود علی الاعضاء السبعة التی هی الجهة والرکبتان و باطنا الکفین واطراف بطون اصابع القدمین وان یکون السجود علی الاعضاء السبعة فی آن واحد ''آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجدہ سات اعضاء جو کہ پیشانی' دونوں گھٹنے' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کے کنارے لگانے سے ہوتا ہے اور سجدہ سات اعضاء پر ایک ہی وقت میں ہوتا ہے'' (تنویر القلوب فی معاملۃ علام الغیوب) اور سجدہ میں نیت کا بھی دخل ہے۔ایک شخص یوں ہی سجدہ کی شکل میں ہے جبکہ اس کی نیت' قیام' رکوع وسجود کی نہیں تو کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ہرگز نہیں۔کیونکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔محبوب کریم ﷺ کا فرمان ہے۔انما الاعمال بالنیات ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (بخاری شریف)۔امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت درج فرماتے ہیں کہ جان کائنات ﷺ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ ان کے لئے

کھڑی ہو جاتیں تو پھر فاخذت بیدہ و قبلته واجلسنه فی مجلسها' آپ رحمت کائنات ﷺ کا ہاتھ مبارک پکڑ کر اس کو چوم لیتیں اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتیں'' اور جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا محبوب کریم ﷺ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتیں تو جان کائنات ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ واخذبیدہ و قبلها واجلسها فی مجلسه ''اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے'' (ابوداؤد شریف)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے جان کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سوال کئے تو جان کائنات ﷺ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے۔ تو ان دو یہودیوں نے جواب سن کر فقبلا یدیه ورجلیه ''آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا'' اور عرض کیا نشهد انك نبی ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں'' (ترمذی شریف)۔ اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رحمت دو جہاں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ہم رحمت دو جہاں ﷺ کی صورت مبارکہ سے ناآشنا تھے تو کسی نے ہم سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ہیں۔ فاخذ نا بیدیه ورجلیه فقبلنهما ''تو ہم نے حاکم کائنات ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو پکڑ کر بوسہ دیا'' (تنویر القلوب)۔ علامہ بدرالدین عینی جو کہ شارح بخاری ہیں انہوں نے حدیث پاک بیان فرمائی ہے۔ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیك وسلم فقال یارسول الله انی نذرت ان فتح الله عزوجل علیك بمكة ان اتی البیت فاقل اسفل الفسكفة فقال قبل قدمی امك وقدوفیت ''بیشک ایک آدمی رحمت کائنات ﷺ کے پاس آیا اس نے عرض کی کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ کی فتح دی تو میں بیت اللہ کے پاس جاؤں گا اور اس کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی والدہ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی'' (عمدۃ القاری)۔ اسی طرح بوسہ دینے کی کئی اقسام ہیں۔ محبت کے طور پر' رحمت کے طور پر' شفقت کے طور پر' احترام کے طور پر' شہوت کے طور پر۔ فاما قبلة المودة فهی قبلة الو الدین بولدهما علی الخلق واما قبلة الرحمة قبلة الولد لو الدیه علی الراس واما قبلة الشفة شفیلة الدخت للاخ علی الجهة واما قبلة التحیة فقبلة المومنین فبما بیناهم علی الید واما قبلة الشهوة فقبلة الزوج لذوجة علی الفم ''محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا ہے۔ رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا۔ عزت و احترام کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا اور شہوت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے چہرہ کو بوسہ دینا'' (بستان العارفین بر حاشیہ تنبیه الغافلین)۔

قارئین کرام! حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم یہ دونوں خلفاء راشدین میں سے

ہیں جو ہاتھ پاؤں کو چومنے کو برا نہ کہتے تھے اور اس پر کسی قسم کا کوئی شرک و بدعت کا پانا جائز ہونے کا فتویٰ ارشاد فرماتے تھے بلکہ ان کو ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں کو چومنا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء راشدین المهديين "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت لازم ہے" (ترمذی' ابن ماجہ' داری شریف)۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ شارح مسلم ہیں ان سے کسی نے پوچھا۔ تقبيل يد غيره ماحكمة یعنی "اپنے غیر کے (دوسرے آدمی کے) ہاتھ کو چومنے کا حکم کیا ہے" آپ نے جواب میں فرمایا۔ يستحب بتقبيل ايدى الصالحين وفضلاء العلماء "صالحین یعنی اولیائے اللہ (ولی کامل) فضلا اور علما کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے" (مشکوۃ المصابیح) اور علامہ بدرالدین عینی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ الکامل زین الدین رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد تحریر فرماتے ہیں۔ تقبيل ايدى الصالحين وارجلهم محمود باعتبار القصد یہاں کے شیخ کامل کا ارشاد ہے۔ قطب الاقطاب غوث الاغیاث جیلانی محبوب سبحانی حضور غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان تعالقا وقبل احد هما راس الدخر ويده على وجه التبرك والتدين جاز "اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھ کو تبرکاً بوسہ دیا یہ شرعاً جائز ہے" (غنیۃ الطالبین)۔ اسی طرح حضرت سیدنا حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مجلس قائم کی ہوئی تھی کہ حجاج ننگی تلواروں کے ساتھ لشکر لئے ہوئے آیا۔ ایک بزرگ جو حاضر مجلس تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا امتحان لیتے ہیں۔ حجاج بیٹھ گیا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ذرا بھر بھی توجہ نہ فرمائی پھر اس بزرگ نے کہا کہ حسن' حسن ہی ہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو حجاج نزديك حسن شدود ستش رابوسيد "حجاج نے آپ کے قریب ہو کر آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا" (تذکرۃ الاولیاء)۔ اسی طرح حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی دوران سفر ایک گروہ سے ملاقات ہوئی تو ان گروہ والوں نے آپ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کی۔ تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو وہ گروہ والے آگے بڑھے اور وقبلنا يديه وانهر الجماعة الى القبل يديه بامجمعهم "اور انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور چاروں طرف کے لوگ بھی آپ کی دست بوسی کے لئے آ رہے تھے" (قلائد الجواہر)۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اپنے فارسی کلام میں فرماتے ہیں۔

کیمیا پیدا کند مشت گل
بوسہ زن بر آستانے کامل

"کہ خاک کی مٹی سے کیمیا پیدا کر اور شیخ کامل کے مزار پر بوسہ دے"۔

اور اسی طرح علامہ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اگــر بــوســه بــر خــاك مــردان زنــی
بــمــردی کــه پیــش آیــدت روشــنــی

""اگر اللہ کے نیک بندوں کی خاک مزار پر تو بوسہ دے گا تو خدا کی قسم تیرے دل کو روشنی حاصل ہوگی"۔

یعنی کہ اولیائے کاملین کے مزارات مقدسات کو بوسہ دینا جائز ہے اور ان کے وصال کے بعد ان سے مدد مانگنا بھی جائز ہے کیونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہم حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم نوراللہ رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم کے متعلق لکھتے ہیں۔

کــه ایشــاں در قبــر خــود مثل احیاء تصرف میکنند

""کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں"۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ توسل بعد از وصال کے متعلق یہ ہے کہ کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور اس اللہ کے ولی کا وسیلہ پیش کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندے مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے۔

مزارات و تبرکات اور ان کے آداب و فضائل

اللہ کریم نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیه ایات بینت مقام ابراھیم ""بیشک سب میں سے پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کو راہ دکھاتا' اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کا پتھر جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے کعبہ معظمہ بنایا' ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا"۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے مقام پر قریش کی طرف سے آئے تو انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام وضو کا پانی لینے کے لئے بے تابانہ دوڑتے ہیں' قریب ہوتا ہے کہ آپس میں کٹ مریں اور جب آپ ﷺ لعاب دہن ڈالتے یا کھنکارتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے اپنے ہاتھوں میں لیتے اور چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کو وہ مبارک پانی نہیں ملتا وہ ان صحابہ کی جنہیں وہ پانی ملا ہوتا ہتھیلیوں سے اپنے ہاتھوں کو مس (چھو) کر اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتے۔

شفا شریف میں ہے کہ "وہ مقامات جن کی زمین کا محبوب کریم ﷺ کے جسد اطہر سے تعلق ہے۔ ان کی درس گاہیں اور ان کی سجدہ گاہیں اور ان کی جلوہ گاہیں اور قیام گاہیں تعظیم کئے جانے کے لائق ہیں۔ ان

کی ہواؤں کو سونگھنا اور ان کے گھروں اور دیواروں کو چومنا چاہیے اور مجھ پر عہد ہے کہ اپنی آنکھوں کے گوشے ان دیواروں اور میدانوں سے بھروں گا۔ خدا کی قسم میں اپنی سفید داڑھی جو کہ گرد وغیرہ سے بچائی جاتی ہے ان میدانوں میں بوسوں کی کثرت سے ضرور خاک آلودہ کروں گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ (صاحب تفسیر مظہری) رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ اولیائے کرام کی روحیں زمین و آسمانوں اور بہشت سے جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور اپنے دوستوں، عقیدت مندوں کی مدد کرتی ہیں۔ جناب رشید احمد گنگوہی نے بیان فرمایا کہ جب میں ابتدا گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا تو خانقاہ میں بول و براز (رفع حاجت) نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے۔ حتی کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی (ارواح ثلاثہ از اشرف علی تھانوی)۔ اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ مردہ کے پاس جب اس کی قبر پر جائے تو وہی معاملہ کرے جو معاملہ کہ اس کی زندگی میں اس کے ساتھ کرتا تھا یعنی مردہ کا ادب بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ زندہ کا۔ میت کا ادب بعد موت بھی وہی ہے جو اس کی زندگی میں تھا (افاضات یومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۲۲۰)۔

قرآن پاک میں ہے صفا و مروہ پہاڑیوں کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں کا تقوی فرمایا گیا ہے۔ صفا و مروہ پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم مبارک آئے۔ اندازہ کریں کہ پیاروں کے قدم جہاں آ جائیں ان جگہوں کی عظمت و مرتبت اس درجہ ہے کہ ان کی تعظیم واجب ہو جاتی ہے۔ قرآن ہی میں تابوت سکینہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کا ذکر مبارک بھی ہے۔ ایسے واقعات بہت سی احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے حجام کو بلا کر اپنے سر مبارک کے دائیں جانب بال مونڈنے کا حکم فرمایا۔ پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر حجام کو سر کے بائیں جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا کیے اور فرمایا کہ ان بالوں کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ قمیض جزو بدن نہیں مگر بال جزو بدن ہیں۔ دونوں کی برکت کے فرق کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

معزز قارئین کرام! آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ ایک پتھر جس پر نبی کا پاؤں آیا، ایک قمیض جو کہ نبی کے جسم سے مس ہوئی اور ایک وہ کہ آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال جن کا یہ ادب ہے اور جن کے فیوض و برکات بہت ہیں۔ کیا وہ جسم مبارک جو خود ایک قبر مبارک میں مدفن ہیں اس کی کیا شان ہو گی۔ محدثین و مفسرین فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کا وہ حصہ جہاں آپ ﷺ کا جسم اطہر لگا ہوا ہے وہ عرش اعظم سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ بات واضح دلیل ہے کہ جہاں پر اللہ کے ولی (دوست) کا مزار مبارک ہوتا وہاں کی بے حرمتی کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ وہاں اللہ کا دوست آرام فرما رہا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ پاک نے اپنے ولی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ "جب بندہ نوافل اور عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی

آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔۔۔۔۔۔''۔پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ولی اللہ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دے رہا ہے، اس کی زبان کو اپنی زبان قرار دے رہا ہے۔کیا اس ولی اللہ کے مزار مبارک کی بے حرمتی حرام نہیں ہوگی؟ میری عقیدے کے مطابق وہ انسان اسلام سے خارج ہے جو مزارات کی بے حرمتی کرتا ہے۔اللہ پاک ہمیں بزرگان دین کے مزارات کی تعظیم وتوقیر (ادب واحترام) کرنے والے گروہ کی سنگت نصیب فرمائے (آمین)۔

اہل مغرب کا فلسفہ روح اور روحانی طاقتیں

اسرار کائنات میں روح سب سے بڑا راز ہے جس کے ادراک سے انسانی عقل ہمیشہ قاصر رہی۔ فلسفہ نے تو کہنا ہی کیا تھا۔جب فرمان حق تعالیٰ ہے۔''فرما دیجئے (اے محبوب ﷺ) روح میرے رب کے امر سے ہے''۔یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو آبی بخارات سے زیادہ لطیف ہے اور حقیقی انسان بھی وہی ہے۔یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی ہے جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسم لطیف خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے۔یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثہ یا بیماری کے بہانے سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے ورنہ نیند کے بعد جسم لطیف جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔اس حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان فرماتا ہے۔''اللہ وہ ہے جو دو طرح روحوں کو قبض کرتا ہے، موت کے وقت اور نیند میں وہ مرنے والوں کی ارواح کو اپنے ہاں روک لیتا ہے، لیکن باقی ارواح کو ایک خاص معیاد کے لئے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے اس حقیقت میں اہل فکر کے لئے کچھ نشانیاں ہیں'' (سورۃ زمر)۔اسی روح کو مسلمان جسم لطیف اور مغرب والے اسٹرل باڈی (Astral Body) کا نام دیتے ہیں۔ مغرب کا ایک پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے۔

You are not your body. "You inhabit your body. Bodies are mere shells we cast aside like a suit of clothing. (Invisible Helpers)

''تم جسم نہیں ہو، یہ تمہاری قیام گاہ ہے، اجسام محض خول ہیں جنہیں ہم موت کے بعد یوں اتار کر پھینک دیتے ہیں جس طرح کہ کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں''۔ (ڈاکٹر الکسز کیرل کا قول ہے۔

Man over flows and greater then the orgnism which he inhabits.

''انسان اپنے جسم سے عظیم تر ایک چیز ہے اور اس پیانہ خاکی سے باہر چھلک رہا ہے''۔

مغرب کے ماہرین روحانیت کا خیال ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگوں کی شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم کے اردگرد ایک ہالہ سا بنا لیتی ہیں۔انہوں نے اس ہالہ کو اورا (Aura) کا نام دیا ہے۔یہ شعاعیں ہر آدمی خارج کرتا ہے خواہ نیک ہو یا بد، فرق صرف یہ ہے کہ نیک و بد کی شعاعوں کا رنگ حسب کردار مختلف ہوتا ہے موت سے عین پہلے یہ اورا (Aura) نیلگوں مائل سیاہی ہو جاتا ہے۔ایک اور نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان

اپنے اعمال کے مطابق ایک ماحول (Atmosphere) اپنے اردگرد بنالیتا ہے بدکار کا ماحول دیوار کی طرح سخت ہوتا ہے جسے نہ کوئی فریاد یا دعا باہر جاسکتی ہے اور نہ روحانی دنیا کے عمدہ اثرات اس کے اندر آسکتے ہیں۔ایسا آدمی خفیہ طاقتوں (روحانی شخصیات) کی امدا سے محروم ہو جاتا ہے۔اس (Aura) یا ہالہ کو قرآن پاک میں حجاب' غشاوہ (پردہ) سر (دیوار) اور غلف (غلاف کی جمع) کا نام دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر کرنگٹن کا خیال یہ ہے۔

Aura is an invisible magnatic radiation from the human body which either attracts or repels.

''اور (Aura) وہ غیر مرئی مقناطیسی روشنی ہے جو انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے۔یہ یا تو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یا پرے دھکیل دیتی ہے''۔اس قسم کی شعاعوں سے انکار ناممکن ہے کیونکہ بعض افراد کا بعض افراد کی طرف کھنچنا اور بعض سے دور بھاگنا ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے یہ شعاعیں جسم خاکی اور جسم لطیف دونوں سے خارج ہوتی ہیں۔نیک کردار لوگ جسم لطیف کی شعاعوں سے دنیا کو کھینچتے ہیں اور دنیا عقیدت' ایمان اور تعظیم کے تحائف لے کر ان کے ہاں جاتی ہے۔اسی طرح کسی خوش شکل انسان سے جسمانی شعاعیں بعض سفلی جذبات میں تو ہیجان پیدا کرسکتی ہیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتیں۔

ماہرین روحانیات کے ہاں ہر حرف کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے اور اس میں ایک خاص طاقت ہوتی ہے غیب بینوں (clairvoyants) نے حروف کو لکھ کر تیسری آنکھ سے دیکھا تو انہیں 'الف' کا رنگ سرخ 'ب' کا رنگ نیلا 'دال' کا سبز اور 'س' کا رنگ زرد نظر آیا۔پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ بعض الفاظ کے پڑھنے سے بیماریاں جاتی رہیں۔بعض سے بچھو کے ڈنگ کی تکلیف غائب ہوگئی اور بعض نے سانپ تک پکڑ لئے۔

اولیاء اور انبیاء کی روحانی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے ان کے کلمات میں حیرت انگیز طاقت پائی جاتی ہے اتنی طاقت کہ ایک صاحب دل ان سے خطرناک امراض و آلام تک دور کرسکتا ہے اور اسی لئے اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم کے تعویزوں میں اتنی تاثیر پائی جاتی ہے کہ ایک پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے۔

A talisman or an amulet strongly charged with magnetism for a particular purose by some one who possesses strong magnetic power may be of invaluable help.

''ایک تعویز یا ٹوٹکہ جس میں کوئی زبردست مقناطیسی شخصیت کسی خاص مقصد کے لئے مقناطیسی طاقت بھر دے' بہت مفید ثابت ہوتا ہے''۔پادری لیڈ بیٹر یورپ کے مشہور ماہرین روحانیات میں سے تھا۔اس کی وفات غالباً 1935ء میں ہوئی۔جسم لطیف میں دور دور تک پرواز کرتے ہیں اور مخفی اشیاء کو دیکھ سکتے تھے وہ اپنی کتاب (The Masters & the Path) میں لکھتے ہیں۔

Each world as it is uttered makes a little form in eitheric mater the word "Hate" for instance producess a horrible form so much so, that having seen its shope. I never use this word again when I saw the form, it gave me a feeling of acute discomfort (P.136).

''ہر لفظ ایتھر (فضا ماحول) میں ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے مثلاً لفظ 'نفرت' اس قدر بھیانک صورت میں بدل جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ صورت دیکھ لی اور اس کے بعد مجھے یہ لفظ استعمال کرنے کی کبھی دوبارہ جرأت نہ ہوئی اس منظر سے مجھے انتہائی ذہنی کوفت ہوئی تھی''۔ اس پادری نے تو اپنی تمام عمر گزار کر یہ نظریہ پیش کیا لیکن ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ نے یہ نظریہ چودہ سو سال پہلے پیش فرما دیا تھا کہ ''اچھی بات کرو یا خاموش رہو''۔ اسی کتاب میں لیڈ بیٹر کے دو اور واقعات بھی درج ہیں۔

•• ایک محفل میں چند احباب گفتگو کر رہے تھے اور میں دور بیٹھ کر ان کے اجسام لطیف کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ ایک نے کسی بات پر زور سے قہقہہ لگایا' ساتھ ہی کوئی چیز کس دی اور معاً اس کے جسم کے اردگرد گہرے نسواری رنگ کا ایک ایسا جالا تن گیا جسے دیکھ کر انتہائی کراہت پیدا ہوئی''۔ یہی وجہ ہے کہ حاکم کائنات ﷺ نے قہقہہ لگانے سے منع فرمایا۔

•• الہامی الفاظ جو کہ اولیاء کاملین کے منہ سے نکلتے ہیں اور اسمائے الٰہیہ میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ ان کے ورد سے ہماری پریشانیاں اور بیماریاں دور ہو جاتی ہین۔ مسلمان قوم اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ ان کے پاس اللہ کے ننانوے صفاتی نام ہیں اور اسم اللہ میں ننانوے کی ننانوے صفات پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ ساری صفات اللہ کی ہیں۔ اگر کسی دوسرے اسم کا ذکر کیا جائے تو وہ بات نہیں بنتی اور اثر بدل جاتا ہے۔ مثلاً جو طاقت 'یارحیم' میں ہے وہ 'یارحمان' میں نہیں ہے۔ اس لئے اولیاء کرام نماز کو اردو میں پڑھنے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ قوت کا جو خزانہ الہامی الفاظ اور محبوب کریم ﷺ کی تجویز کردہ دعاؤں میں ہے وہ ہمارے الفاظ میں نہیں' بائبل میں درج ہے۔

By the word of "Lord" were the heavens made.

''اللہ کے ایک لفظ سے جنت (آسمان و کائنات) بنیں''۔ پرانی بائبل میں آغاز کائنات کا بیان یوں درج ہے۔ ''شروع میں اللہ نے 'اسم اللہ' کو ظاہر کیا اور پھر اس سے ایک اور نام بنا اور اس سے تمام مخلوق بنی''۔ **God said let there be light and there was light.** ''خدا نے فرمایا اجالا ہو جائے فوراً اجالا ہو گیا''۔

''جب اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اللہ پاک نے اپنے نور کا ظہور 'اللہ' میں فرمایا اور اس نور سے محبوب کریم ﷺ کا نور مبارک پیدا فرمایا اور پھر آپ ﷺ کے نور سے تمام مخلوقات کی ارواح کو پیدا فرمایا''۔ پیارے محبوب کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے۔ انا من نور اللہ تعالیٰ وکل خلائق من

نوری ''میں اللہ پاک کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے'' (صراط الصالحین)۔ تو یہ اللہ کے الفاظ ہی ہیں جن سے کروڑوں آفتاب' ماہتاب وجود میں آئے اور کائنات کے درودیوار تجلیوں سے چمک اٹھے۔ فلسفہ عبادت کے سلسلے میں دوسری توضیح طلب چیز'' کاسمک وائبریشن'' یا پراثر امواج ہیں۔ ''اب یہ بات ایک سائنسی تحقیق بن چکی ہے کہ ایتھر ایک نہایت ایسی حساس چیز ہے جس میں آواز تو ایک طرف وہاں ارادہ' خیال سے ہی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کاسمک ورلڈ (روحانی دنیا) میں تین قسم کی مخلوق آباد ہے' جن' فرشتے اور انتقال شدہ اجسام لطیفہ۔ اس مخلوق اور ساکنان زمین کے درمیان نام و پیام یا مدد وامداد کا سلسلہ انہی کاسمک وائبریشنز کی لہروں سے ہوتا ہے۔ جب ہم دعا کرتے ہیں تو ہمارے اندر کے جذبات سے زبردست قسم کی لہریں نکلتی ہیں۔ جب یہ لہریں فیض رساں طاقتوں (ارواح اولیاء' انبیاء علیہ السلام) سے ٹکراتی ہیں تو وہ یا تو خود ہماری مدد کو پہنچ جاتی ہیں اور راستے کی رکاوٹ کو ہٹاتی ہیں اور یا کوئی دلیل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ہماری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ تمام اہل مغرب کے سائنسدانوں کا نظریہ ہے کہ ''بعض امراض و مصائب ہماری بدکاری اور نافرمانی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جن سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں پایا جا سکتا ہے کہ پہلے ہم گناہوں کی معافی مانگیں اور چھوڑ دیں اور پرمخفی طاقتوں کو آواز دیں اور یہ طاقتیں اللہ کی اجازت کے بغیر حرکت میں نہیں آتیں اور گناہ اللہ سے بغاوت کا نام ہے اور ایک باغی کو جب تک کہ وہ باغی (کافر) رہے اللہ سے رحم کی امید نہیں رکھنی چاہئے''۔

قبولیت دعا کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر تکلیف گناہ کا نتیجہ ہو تو اعتراف گناہ اور توبہ اور دوسرے صدق دل سے اور نیاز و گداز اور اضطراب کے ساتھ کی گئی دعا صدق کے شہروں سے عالم بالا کی مسافتوں کو طے کرتی ہے کیونکہ اگر موٹر میں تیل نہ ہو تو وہ چلے گی کیسے۔ اسی لئے اگر دعا میں اضطراب اور صدق کی طاقت شامل نہ ہو تو مقام قبولیت تک ہرگز نہیں پہنچتی اور اللہ پاک نے ایسی ہی دعا کو قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کے ذریعے اللہ پاک کی ذات روحانی طاقتوں کو حرکت میں آنے کا حکم دیتی ہے جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ''کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے (میرے سوا)'' (سورۃ نمل)۔ یعنی دعا میں اضطراب و بے قراری لازمی ہے۔ اگر میں اس تفصیل میں جاؤں کہ کائنات کیسے مسخر ہو سکتی ہے تو تمام ماہرین کے نتائج میرے پاس موجود ہیں لیکن بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ اس لئے میں آخر میں آپ کو ان تمام ماہرین کے نظریات کا نتیجہ سنا دیتا ہوں۔ جنہوں نے روح پر تحقیق کی ہے۔

پادری لیڈبیٹر ڈاکٹر الکسز کیرل' ڈاکٹر کرنگس' ڈاکٹر آر ڈبلیو ٹرائن' ڈاکٹر الیگزینڈر کاٹن اور دیگر تمام ماہرین روحانیت اور سائنسدانوں نے کائنات کو مسخر کرنے کا ایک ہی حل بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے۔ ''کائنات کی روحانی طاقتوں کو مسخر کرو اور ان کو مسخر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کے سامنے جھک جاؤ

اوران کے ہراشارے کی تعمیل کرو"۔

Conquer the nature and by yierding to nature we conquer it (Result of "viwes")

یہ تو انگریزوں اور غیر مذہبوں کی تحقیق ہے اور ہم مسلمان ہیں اگر ہم ان کو نہ بھی مانیں تو ہمیں اپنے راہنما بھی یہ درس دے رہے ہیں۔

سجدیوں سر نہ چاویے باھو توڑے کافر کہن ہزاراں ھو

اور اللہ پاک فرمارہا ہے۔ یـایـھـاالـذیـن امـنـو اطیـعـواللہ واطیعو الرسول و اولی الامـر مـنـکـم "اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی اور اس کی جو تم میں صاحب امر (صاحب اختیار کل) ہو"۔ الغرض اگر زندگی اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو ان شیعہ' سنی فسادات کو ختم کر کے ہمیں ان روحانی طاقتوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے ان سے رابطہ قائم کر کے ان کی غلامی میں زندگی گذارنی چاہئے ورنہ گمراہی مقدر ہوگی۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی
تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو رو سیاہی

انسانی روح اور منشائے الٰہی

روح کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بڑا امر بستہ راز ہے جس کے متعلق پہلے الہامی مذاہب کے علاوہ یونانی تہذیب میں بھی کچھ نہ کچھ تصور ضرور قائم کیا گیا بلکہ تحقیق بھی ہوئی لیکن اسلام نے روح کی عظمت اور اہمیت کو بہت اہمیت دی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "اے محبوب (ﷺ) ! فرمادیجئے روح میرے رب کے حکم سے ہے"۔ روح کے متعلق اس آیت کے نزول کے بارے میں علمائے دینیات اور صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم میں اتفاق ہے کہ جب یہودی عالموں کی تحریک پر یہودی حارث نے یہودی عالموں کے ساتھ رسول کریم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ انہیں روح کی حقیقت کے بارے میں بتائیں تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی صورت میں اس وقت روح کے وجود کے بارے میں اثبات فرمایا۔ اے محبوب (ﷺ) آپ سے یہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور فرمادو کہ "روح میرے رب کے حکم سے ہے"۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پاک کے مطابق "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جسموں سے سو ہزار سال پہلے روحوں کو پیدا فرمایا ہے"۔ دوسری جگہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "روحیں ایک دوسرے سے پیوستہ لشکر ہیں جو شناسا ہیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں جو ناآشنا ہیں الگ الگ رہتی ہیں"۔ ہر انسان اپنی عقل و فہم کے اعتبار سے روح کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتا ہے ورنہ عالم حالات میں انسان کو روح کو اپنی اندر موجود ہونے کا

قطعاً احساس نہیں۔

روح کا مسئلہ ہمیشہ انسانی علوم پر چھایا رہا ہے اور روح کی حقیقت سے بے خبری کے باوجود انسان روح کے ساتھ وجود میں ہے۔ جس کا جسمانی وجود روح کی حقیقت سے قائم ہے۔ کبھی روح کو خود ذات باری تعالیٰ کہا گیا اور کبھی روح کو ایک مقام سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے والی شے یقین کر کے تحقیق کا علم ختم کر دیا گیا۔ روح اگرچہ لطیف اور غیر مرئی مخلوق ہے جسم ہی کی طرح جنس ہے لیکن ایک دوسری جنس ہے۔ جب کوئی عارف اللہ تعالیٰ سے دوستی اور اتحاد کی خاطر اپنے آپ سے دنیا سے اور آخرت سے بے نیاز ہو کر اپنی انفرادیت کے خاتمے میں کامیاب ہوتا ہے تو توحید الٰہی کا شرف اس کی روح ہی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ روح ہی تھی جس سے عالم لاہوت میں اللہ تعالیٰ نے الست بربکم کا سوال کیا تھا۔ جس کے جواب میں روحوں نے قالو بلیٰ کا اقرار کیا تھا۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے کیونکہ اس جواب کو جاننے کے لئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی وجود دے کر مختلف قسم کے مخالف عناصر پیدا کئے اور دیکھنا چاہا کہ اب وہ روح جو جسم انسانی میں مقید ہے کیا رویہ اختیار کرتی ہے۔ صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم کے شاندار تجربوں سے جو حقائق سامنے آتے ہیں کہ مخلوق ہونے کے اعتبار کے باوجود اس کا انسانی جسم سے رشتہ بڑا ہی بنیادی نوعیت کا ہے اور تصوف میں روح کا علم جاننا ضروری ہے۔ روح کا علم ہر حال میں ایک مخفی علم ہے لیکن صوفیائے اکرام نے جو انکشافات کئے ہیں ان میں یہ حقیقت نمایاں ہے۔ انسانی جسم میں روح کا قیام ایک خاص مدت کے لئے ہے اور اس کی حقیقت ادھار لی ہوئی چیز کی سی ہے۔ جسے بہرحال واپس ہونا ہے۔ روح عینی ہے کوئی صفت نہیں ہے۔ قرآن حکیم اور ہادی اعظم ﷺ کے ارشادات کے مطابق روح مادی جسم کی تخلیق سے پہلے تخلیق ہوئی اور روح حیات کے علاوہ شے ہے۔ حالانکہ حیات کے سوا اس کے وجود کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ علمائے کرام کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ روح نہ تو عینی ہے نہ ہی وصفی۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے اسے انسانی قالب میں رکھتا ہے اور دستور کے مطابق زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی روحانی تحریروں میں لکھا ہے۔ روح سراسر عینی ہے اور ثبوت کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ شہدا کی روحیں سبز پرندوں کے روپ میں ہوتی ہیں ایک مقام پر رسول عربی ﷺ کا فرمان ہے کہ ارواح صف بستہ لشکر ہیں اور میں نے شب معراج میں حضرت آدم صفی اللہ، یوسف صدیق اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون حکیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کو آسمانوں پر دیکھا۔ یقیناً وہ ان کی روحیں تھیں اور ہستی وجود کی حالت میں روح کو نہیں دیکھا جا سکتا لیکن وجود لطیف کو صرف دل کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ روح کے محققین میں یہ بحث بھی موضوع رہی کہ روح قدیم ہے جبکہ قدیم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور قدیم کی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ روح کے متعلق مختلف مذاہب اور عقائد کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہے لیکن مسلمان صوفیاء رحمتہ اللہ علیہ نے

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ سے روح کے بارے میں جو نتائج اخذ کیے ہیں ان کے مطابق روح ہماری دنیا میں آنے سے پہلے موجود تھی اور قرب الٰہی میں پاک صاف، لطیف اور مقدس حالت میں تھی۔ جب اسے جسم میں نیابت کے ساتھ وابستہ کیا گیا اور وہ اس وقت سے اپنے آزمائش کندہ کی طلب اور آرزو میں تڑپنے لگی یہ خالص صوفیانہ تحقیق ہے۔ روح کی اپنے وجود حقیقی سے علیحدگی جب وہ صرف محبت الٰہی تھی اس کے اپنے شوق تجسس اور خود اختیاری فعل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا عمل ہے۔ ایک انسان جو دنیا میں رہ رہا ہے اس کی روح کو یہ شان حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی اس اولین حالت میں واپس چلی جائے۔ جو اس کے جسم سے متحد ہونے سے پہلے کی حالت تھی۔ وہ انسان انتہائی مبارک اور قابل احترام ہوتا ہے جو اپنے عمل اور کردار سے روح کو زندہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ صوفیانہ فکر کی روشنی میں روح اور جسم کے اتحاد کی نوعیت انسان کے لئے کڑی آزمائش ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے مطابق اے انسان تیرے ایک پہلو میں تیرا دشمن نفس موجود ہے اور دوسرے پہلو میں شیطان، تجھے ان دشمنوں سے نبرد آزما ہونا ہے یعنی روح کو اپنے اصلی مقام تک آنے کے لئے دنیا میں ذکر فکر اور ذات الٰہی سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب اللہ تعالیٰ روح کو جسم میں مقید کرتا ہے تو روح کثیف اور بوجھل ہو جاتی ہے اور اپنی اصل کی طرف اس وقت تک واپس نہیں جا سکتی جب تک وہ لطیف اور وزن سے عاری نہ ہو جائے یعنی زندہ نہ ہو جائے کیونکہ کثیف اور بوجھل روح دراصل صوفیاء کے نزدیک مردہ حالت میں ہوتی ہے۔ راہ سلوک میں ضروری ہے کہ ذکر و فکر کے علاوہ مجاہدہ اپنی حواس کی خواہشوں، جذبوں کی کیفیتوں، عقل و منطق سے دست کش ہو جائے اور تمام کوششوں، جستجوؤں اور تمناؤں کا مرکز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو بنا لے۔ دنیا میں روح تمام تر پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم نہیں ہوتی۔ جسم سے اس کے عارضی اتحاد میں پوشیدہ منشائے ایزدی اگرچہ ایک گہرا راز ہے لیکن طریق معرفت کے مطابق دنیا میں روح کا قیام ہی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء و رضا یہی تھی۔ اس کی سب سے بڑی آزمائش اپنے خالق حقیقی کے ہاں دوبارہ حاضر ہونے کی آرزو ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے کسی صوفی کے لئے روح کا یہ انوکھا تجربہ ہے جیسے کوئی مبتلائے فراق اپنے محبوب کے ہاں پہنچ کر قرار پاتا ہے کیونکہ روح کا ماخذ وہی ذات الٰہی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تجربوں کی روشنی میں روح اپنی اولین حالت میں علیحدہ ہو کر اس دنیا میں پیدائش کے لئے آتی ہے۔ اس حالت میں وہ ایک مرکب اور مختلف عناصر مخلوق ہوتی ہے۔ روح نفس ارادہ حواس سب کے سب جسمانی وجود میں بند ہوتے ہیں۔ مرشد کامل کی مہربانی پر خلوص جستجو، ریاضت و عبادت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اولین حالت میں دوبارہ رابطہ قائم کرے۔ تصوف میں روح کی اس جستجو آزمائش اور کشمکش کو فنائے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کلام پاک کی

سورۃ اعراف میں سے تفسیر فرماتے ہیں کہ روح جسم میں اتصال سے پہلے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تھی اور وقت کی قید سے آزاد تھی۔ اس عالم میں باری تعالیٰ کے ساتھ تھی اور وقت کی قید سے آزاد تھی۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ نے اس سے کلام فرمایا تھا۔ جب وہ اس دنیا میں جسم کے ساتھ نمودار ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے قرب و حصار سے باہر آنے کا ملال اور غم اس کا مقدر بن گیا۔ ہر وقت تلاش ذات باری تعالیٰ سامنے رہی۔ طریقت و معرفت میں بتایا گیا ہے کہ یہ تڑپ اور طلب کی اس وقت تکمیل ہوتی ہے جب روح انسانی کو اتنا پاکیزہ و مصفا بنا دیا جائے کہ خود آگاہی و خود شعوری کی سرحدوں سے آگے نکل جائے اور ذات خداوندی کے حصار میں داخل ہو جائے یہی حالت اولین ہے۔ یعنی فنا کا مقام جو کہ اللہ تعالیٰ کی طلب سے حاصل ہوتا ہے۔ روح کے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے تصور اللہ تعالیٰ خالص اور بے داغ ہو جائے کیونکہ صوفیانہ تعلیمات کے مطابق جب تک یہ احساس فہم و شعور، وجدان اور ادراک کا حصہ نہ بن جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے ہر چیز کو دیکھنے والا ہر چیز پر چھا جانے والا فاتح ہے۔ ہر چیز کا خالق اور قادر ہے وہ سب سے زیادہ قریب ہے اور ہر لمحہ اپنے عبادت گزار کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور جب اس کی روح کثافتوں کے بوجھ سے آزاد ہو جاتی ہے تو اپنی بارگاہ الٰہی میں اس کا احاطہ کر لیتا ہے بغیر منشائے ایزدی ہر کس و ناکس کے لئے یہ تجربہ اور مشاہدہ ایک بند کتاب کی طرح ہے۔ روح انسانی ہی شرف انسانیت کی حامل ٹھہری ورنہ مشت خاک کو یہ جرأت کہاں تھی۔ روح کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روح ہی حساب و کتاب اور میزان کے عمل سے گزرے گی اور پھر ذات باری تعالیٰ کے حضور پیش ہوگی۔ روحوں کا مقام اور درجہ الگ الگ ہے۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ اولین صوفیائے کرام کے نمائندے ہیں۔ اپنے روحانی تجربوں سے انسانی روحوں کے اس مقامات پر قائم ہونے کی تفصیل لکھی ہے۔ ان کے مطابق:۔

۱۔ فساد کرنے والوں کی روحیں جو تاریکی اور ظلمت کی اسیر ہیں اور انہیں غفلت کی وجہ سے اپنے انجام کا علم نہیں کہ کیا ہوگا۔

۲۔ نیک، صاحب تقویٰ افراد کی روحیں جو آسمانوں کے نیچے بندگی و رضا اللہ کی مکمل اطاعت میں مسرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۳۔ محسنین کی جانوں میں رہنے والی روحیں نورانی قندیلوں کے ساتھ عرش الٰہی پر فائز ہیں ان کی غذا محبت اور ان کا پانی قربت خداوندی کی شراب ہے۔

۴۔ مریدوں کی روحوں کا مسکن چوتھا آسمان ہے وہ اپنی صدق کی لذت اور اپنے اعمال کے سایوں میں فرشتوں کی ہمرکاب ہیں۔

۵۔ اہل وفا کی روحیں پاکیزگی اور صفا کے مقام میں سرشار و پر مسرت ہیں۔

۶۔ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی مکیں ہیں اور جہاں چاہیں اور جب چاہیں جا

سکتی ہیں۔

۷۔ مشتاقان رب عظیم کی روحیں ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں مقیم ہیں۔

۸۔ عارفوں کی روحیں صبح وشام تقدس کی ہواؤں میں اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتی ہیں اور جنت و دنیا میں اپنے ٹھکانوں سے واقف ہیں۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور دوستوں کی روحیں مشاہدہ الٰہی اور مقام کشف میں ہیں۔انہیں دیدار الٰہی کے علاوہ کسی چیز سے راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ جانتی بھی نہیں۔

۱۰۔ درویشوں کی روحیں فنائے صفت سے گزر کر اپنی صفت بدل کر تبدیل ہو چکی ہیں اور ذات میں فنا ہیں۔

عمل اور عشق

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔پھر تمام امت کا بھی اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اب جب کہ ہم پر نماز فرض ہے' روزہ فرض ہے' زکوۃ فرض ہے اور حج فرض ہے ہم لوگ ان تمام عبادات کو فرض سمجھتے ہوئے ادا کرتے ہیں تو پھر جب قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے تو پھر یہاں آ کر ہمیں کیوں سانپ سونگھ جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت نہیں نکلتی اور جب تک دنیا کی محبت دل کے اندر رہے گی۔اللہ پاک کی سچی محبت کس طرح اس دل میں آئے گی۔چار دنیا کی لذتیں ایسی ہیں کہ جو جب تک انسان کے اندر سے نکل نہ جائیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت انسان کے اندر آ نہیں سکتی۔ ایک محبت ہے خوبصورت عورتوں سے جماع کرنے کی دوسری محبت ہے عالم و فاضل بننے کی۔تیسری محبت ہے حاکم بننے کی اور چوتھی محبت ہے اچھا کھانا اور اچھا پہننے کی اور جب تک ان چاروں میں سے ایک بھی محبت انسان کے اندر موجود رہے تو پھر اللہ پاک کی محبت اس دل میں نہیں آ سکتی۔دین اور دنیا سگی بہنیں ہیں اور بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی ایک لذیذ ترین چیز ہے۔مگر اس بارے میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔جب تک انسان کے دل کے اندر بال برابر بھی دنیا کی محبت موجود ہو اس وقت تک اس کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا موت کی یاد نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر آمادہ کیا۔آپ نے فرمایا موت کیا چیز ہوتی ہے۔پھر کہا گیا قبر کے ذکر نے آپ کو عبادت پر آمادہ کیا۔فرمایا قبر کیا ہوتی ہے؟ کہا گیا کہ آپ کو دوزخ کے خوف اور جنت کی امید نے عبادت پر آمادہ کیا فرمایا وہ کیا چیزیں ہیں۔آپ نے فرمایا اللہ پاک بادشاہ ہے یہ سب چیزیں اس کی مخلوق اور اس کی پیدا کردہ ہیں جب تم اس بادشاہ سے محبت کرو گے تو پھر یہ تمام چیزیں تمہارے لئے وقف ہو جائیں گی۔جیسا کہ حدیث پاک ہے کہ جسے اللہ پاک مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔

حضرت احمد بن فتح رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بشر بن حارث رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ سناؤ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا کیا حال ہے۔ کہنے لگے کہ وہ بہت دور چلے گئے ہیں کیونکہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ جنت کے شوق میں اور نہ دوزخ کے خوف سے کی بلکہ انہوں نے اللہ کی عبادت اللہ کے شوق میں کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور اپنے درمیان سے پردے ہی اٹھا لئے۔ سبحان اللہ! محبت کی قوت اور اس کے غلبہ سے اکثر لوگ محروم ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ جب تک انسان کے اندر سے دنیا کے تعلقات اور غیر اللہ کی محبت نہ نکل جائے۔ اللہ پاک کی محبت کمزور ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کی محبت تب قوی ہو گی۔ جب انسان کو اللہ پاک کی معرفت نصیب ہو جائے گی۔ جب تک انسان معرفت الٰہی تک نہیں پہنچتا اس وقت تک اللہ پاک کی محبت کمزور رہتی ہے۔ ان دونوں چیزوں تک رسائی کے لئے انسان پر لازمی ہے کہ وہ مرشد کامل کی تلاش کرے کیونکہ مرشد کامل ہی انسان کے دل سے دنیا کی خواہشات کو ختم کر سکتا ہے۔ وہی انسان کے نفس کو مارتا ہے اور دل کو زندہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان مرشد کامل کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ مرشد کامل ایک ہی نظر سے نفس کو قتل کر دیتا ہے اور دل کو زندہ کر دیتا ہے اور جب تک نفس قتل نہیں ہوتا انسان کے دل سے دنیا کی محبت فتح نہیں ہوتی۔ مرشد کامل جب مہربانی کرتا ہے تو انسان کے اندر سے دنیا کی محبت اور جنت کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
خدا تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

یہاں پر آپ حاضر سے مراد دنیا اور موجود سے مراد جنت لیتے ہیں یعنی کامل وہی ہے جو ان دونوں کی محبت کو تیرے اندر سے نکال دے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو بھر دے۔ سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل وہ ہے جو پہلے ہی دن اسم اللہ یا اسم محمد ﷺ خوبصورت لکھ کر طالب کے ہاتھ میں تھما دے اور پھر اسے مشاہدہ بھی کرا دے۔ مرشد کامل ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی طالب کو مشاہدہ کرا کے اسے حق الیقین کے مرتبے تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ جب تک انسان اپنے اندر سے یہ سب کچھ دیکھ نہ لے اسے یقین نہیں آتا جب انسان کے اندر سے یہ دنیا کی محبت اور جنت کی طلب نکل جاتی ہے اور وہ معرفت الٰہی تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے نماز میں معراج نصیب ہوتی ہے۔ جب اس کو نماز میں اللہ پاک کا دیدار حاصل ہو جاتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے تو اللہ پاک کے دیدار میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جب اس کا ذکر کرتا ہے تو پھر خدا اس کے سامنے ہوتا ہے اور ذرا سوچو کہ جب خدا اس کے سامنے ہو تو اس نماز کا کیا مقام ہو گا اور اس ذکر کا کیا مقام ہو گا۔ جب انسان کو یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ دل و جان سے شریعت محمدی ﷺ پر کاربند

ہو جاتا ہے۔اس کو حضور پاک ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے مزہ آتا ہے اور پھر اس کی ہر ہر ادا خود بخود سنت کے مطابق ہوتی چلی جاتی ہے۔وہ انسان حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات' ارشادات' احکام' اخلاق اور اعمال کی خود بخود پیروی کرنے لگ جاتا ہے۔

پھر وہ اپنی پسند کے بدلے اللہ تعالیٰ کی پسند کو ترجیح دیتا ہے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔ اللہ پاک کی نافرمانی نہیں کرتا۔اس کی اطاعت اس کے لئے ایک نعمت بن جاتی ہے۔اس کی اطاعت میں اس کی حلاوت اور مٹھاس نصیب ہوتی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی اچھی بری تقدیر پر راضی رہتا ہے اور اس طرح اگر اس کے سر پر پہاڑ بھی گر پڑے اس کو پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر بلا و مصیبت کو رحمت تصور کرتا ہے۔مروی ہے کہ بیماری اور آفت انسان پر دو وجوہات کے سبب سے آتی ہے اور اس کا تیسرا سبب کوئی نہیں ہے۔ پہلا یہ ہے کہ مصیبت سے اس کے گناہ کم ہوتے ہیں اگر وہ شخص گنہگار ہے تو' اور دوسرا اگر وہ شخص نیکوکار ہے تو اللہ پاک مصیبت و بلا اور بیماری سے اس کے درجات کو بلند کرتا ہے یعنی یہ دونوں طرح سے باعث رحمت ہیں۔اسی لئے تو کئی اللہ کے ولی اللہ تعالیٰ سے بلائیں طلب فرماتے ہیں۔

آج کل کے مسلمان زبان سے تو عشق الٰہی کے دعوے کرتے ہیں مگر اعمال سے بالکل خالی ہیں۔ عاشق بھی بنتے ہیں اور پھر اللہ پاک کی نافرمانی بھی کرتے ہیں۔آج کل کا مسلمان بیچارہ غیر اللہ سے ہی فارغ نہیں ہوتا۔دنیا کی رنگینیوں میں گم ہے' ڈش اور کیبل نے اس کے اخلاق کو تباہ و برباد کر دیا ہے' بیچارے کو گناہ گناہ نظر ہی نہیں آتا۔حرام حرام نظر نہیں آتا نفس اور شیطان کے دھوکہ میں پھنسا ہوا ہے وہ لذتیں جو وہ نہیں چھوڑ سکتا ہے اور جب تک یہ لذتیں انسان کے اندر سے نکل نہیں جائیں گی اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزیں نہیں ہوگی۔حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ اے اللہ! اگر میں تیری عبادت اس غرض سے کروں کہ میں دوزخ سے بچ جاؤں تو مجھے دوزخ میں ضرور جلانا۔اگر میں تیری عبادت اس لئے کروں کہ مجھے جنت ملے تو جنت سے محروم رکھنا اور اگر میں تیری عبادت اس لئے کروں کہ تیرا دیدار نصیب ہو تو پھر مجھے اس سے محروم نہ رکھنا۔آج بھی اگر ہم اولیاء کے احکامات پر عمل پیرا ہوں گے تو ہماری وہ جنت سنورے گی ورنہ اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''انسان کے لئے اس کا مال اور اس کی اولاد خسارے کا باعث ہیں'' اور انہی کی محبت میں انسان ناجائز کردہ حرام طریقوں سے مال کما کر ان کی ناجائز خواہشات کو پورا کر رہا ہے اور حرام کے طور طریقوں سے مال اکٹھا کروایا ہے تو دوستو! سب سے پہلے مرشد کامل کی تلاش کرو کہ مرشد کامل کے مل جانے کے بعد ہی انسان صحیح انسان بنتا ہے اور مرشد کامل ہی انسان کو اللہ پاک کی ذات تک اور محبوب کریم ﷺ کی حضوری تک پہنچاتا ہے۔چند کراماتیں دکھا دینے والا کبھی مرشد کامل نہیں ہوتا۔مرشد کامل کی تلاش کائنات میں مشکل ترین کام ہے اور اس کے لئے بیحد تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔اللہ پاک سے دعائیں مانگنی پڑتی ہیں مگر جب یہ مل جائے تو پھر سب مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں اور

انسان اپنی منزل مقصود پالیتا ہے جیسا کہ سلطان العارفین سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ رب عرش معلیٰ اتے نہ رب خانے کعبے ھو
نہ رب علم کتابیں لبھیا تے نہ رب وچ محرابے ھو
گنگا تیرتھیں مول نہ ملیا مارے پینڈے بے حساب ھو
جد دا مرشد کامل پھڑیا باہو چھٹے کل عذابے ھو

اللہ تعالیٰ ہم سب اپنی محبت، حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت اور اتباع اور مرشد کامل نصیب فرمائے (آمین)۔

محبت اولیاء کے فوائد

محترم قارئین کرام! عربی زبان میں لفظ 'ولی' بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ولی کا ہر ہر معنی اولیائے کاملین اور عباد صالحین پر صادق آتا ہے۔ مثلاً ولی کا معنی قریب و نزدیک تو اولیاء اللہ اور عباد الرحمٰن اللہ کریم کے انتہائی مقرب اور نزدیکی ہوتے ہیں اور ان کے قرب الٰہی کا اندازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے ولی سے دشمنی کرے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ میری کسی محبوب شے کے ذریعے سے جو میں نے اس پر فرض کی ہے میرا قرب حاصل نہیں کرتا' میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں' جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں' اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب رضائے الٰہی کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر اپنی ہستی موہومہ کو ذات الٰہی میں فنا کر دے تو اسے اللہ تعالیٰ وہ مقام قرب عطا کرتا ہے کہ اس کی دوستی اللہ کی دوستی اور اس سے دشمنی اللہ کی دشمنی' اس کا قرب اللہ کا قرب' اس کا کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کا مظہر بن جاتا ہے۔ اگر چہ کام اس کے ہوتے ہیں مگر اس میں حقیقتاً تاثیر اللہ قادر و کریم کی ذات کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میرا بندہ میرے ذریعے سے سنتا ہے میرے ذریعے سے دیکھتا ہے اور میرے ذریعے سے چلتا ہے چنانچہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ان اللہ ینطق علی لسان عمر کہ "بیشک اللہ تعالیٰ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان پر بولتا ہے"۔

☆ ولی کا معنی متصل اور حاکم و متصرف بھی ہے۔ چنانچہ اولیائے کرام نہ صرف اللہ تعالیٰ سے متصل ہوتے ہیں بلکہ جو ان کے دامن رحمت میں پناہ لے لے اسے بھی اللہ تعالیٰ سے ملا دیتے ہیں اور ان نفوس

قدسیہ کے حاکم ومتصرف ہونے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کو حکم اور زمین کو کوڑا مارنا اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشادات عالیہ ہی کافی ہیں۔

☆ ولی کا ایک معنی مددگار ہے تو اولیائے کرام اس انداز سے مدد فرماتے ہیں کہ انسان کی سب سے بڑی دولت ایمان اور تقویٰ اس کے ازلی دشمن شیطان سے پوری طرح محفوظ ہو جاتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ خود رب العالمین نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں ایمان و تقویٰ کی دولت نصیب ہو جائے تو وکونوا مع الصدقین اللہ والوں کے ساتھ ہو جاؤ' تمہارا ایمان بھی محفوظ رہے گا اور تقویٰ بھی بچ جائے گا۔

☆ ولی کا ایک معنی سیراب کرنے والا بھی ہے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان جب اپنے دل کی کھیتی کو گناہوں کی وجہ سے جلا کر خشک کر بیٹھتا ہے اور ندامت محسوس ہونے پر اولیائے کرام کی چوکھٹ پر حاضر ہوتا ہے تو وہ نفوس قدسیہ اس کی خشک کھیتی کو عشق مصطفیٰ ﷺ کے آب حیات سے سیراب کر دیتے ہیں۔

☆ ولی کا معنی دوست اور محبت کرنے والا بھی آتا ہے۔اس وقت یہ مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس سے محبت کرنے والے ہیں۔یہاں تک کہ یہ اللہ کریم سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کریم ان سے محبت کرتا ہے۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عزوجل ان اولیائی من عبادی واحبائی من خلقی الذین یذکرون بذکری واذکر بذکرھم ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ولی میرے خاص بندے اور تمام مخلوق سے بڑھ کر مجھے محبوب ہیں' جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں''(حلیۃ الاولیا صفحہ٦)۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ کے اپنے ولیوں کے ساتھ محبت کرنے کا ذکر تو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح محبت فرماتا ہے۔اللہ قادر و کریم کا انداز محبت' بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احب اللہ العبد نادیٰ جبرائیل ان اللہ یحب فلانا فاحبہ فیحبہ جبرائیل فینادی جبرائیل فی اھل السماء ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض ''محبوب کبریاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل امین کو ندا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت فرماتا ہے تو بھی اس سے محبت کر پھر جبریل امین بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں' پھر جبریل امین آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اے آسمان والو! اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس بندہ کو زمین میں بھی مقبول بنا دیا جاتا ہے'' (بخاری شریف صفحہ ٨٩٢ جلد ٢)۔مزید تفصیل ہماری کتاب ''لفظ ولی کا معنی

ومفہوم'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن پاک میں جہاں اولیاء کرام کا ذکر ہے وہاں ان کی تعریف اس انداز سے کی گئی ہے۔الذین امنوا وکانو یتقون کہ ''ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوں'' (پارہ ۱۱ رکوع ۱۲)۔ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔ان اولیاء الا المتقون کہ ''اللہ کے ولی ہیں ہی وہ جو متقی اور پرہیزگار ہیں'' (پارہ ۲ رکوع ۱)۔

رحمت کائنات نور مجسم ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ من اولیاء اللہ ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ الذین اذا رواذکر اللہ عزوجل ''اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں کہ جب بھی ان پر نظر پڑے خدا یاد آجائے'' (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۶ تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۴۲۲)۔ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔

☆ عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اخبرکم بخیارکم قالو ابلی قال الذین اذا رئوا ذکر اللہ عزوجل ''حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو تم میں سے بہتر لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ضرور فرمائیں' آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے'' (حلیۃ الاولیاء)۔

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ان من عباد اللہ لا ناسا ماھم بانبیاء ولا شھداء یغیطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامتہ بمکانھم من اللہ کہ'' بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید مگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی قدر ومنزلت دیکھ کر انبیاء اولیاء بھی ان پر رشک کریں گے''۔جب لوگوں پر خوف طاری ہوگا وہ مطمئن ہوں گے اور جب لوگ غمگین ہوں گے وہ پرسکون ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔لا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون ۔عاشق رسول حضرت علامہ عبدالرحمان جامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف نفحات الانس میں فرماتے ہیں۔ومن شرط الولی ان یکون محفوظا کما ان من شرط النبی یکون معصوما فکل من کان للشرع علیہ اعتراض فھو مفرور مخادع کہ''جس طرح کسی نبی کے لئے گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر ولی کے لئے گناہوں سے محفوظ ہونا ضروری ہے پس جو شخص شریعت کے خلاف چلے بس وہ مغرور اور دھوکہ باز ہے'ولی نہیں''۔

☆ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کسی شخص کے بارے میں سنا کہ وہ اللہ کا ولی ہے۔اس کے دیدار کے لئے اس کی مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے پس جب وہ آیا تو آپ نے دیکھا کہ اس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا ہے۔آپ فوراً واپس ہو گئے اور اسے سلام تک نہ کیا اور فرمایا کہ یہ شخص جو آداب شریعت سے ہی واقف نہیں کیف یکون امینا علی

اسرار الحق اللہ تعالیٰ کے اسرار کا امین کیونکر ہوسکتا ہے۔اسی طرح ایک شخص حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھا۔حضرت شیخ نے فرمایا جا نکل جا کہ جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا ادب ہی نہیں جانتا ہم اس سے صحبت نہیں رکھ سکتے۔اس سے پتہ چلا کہ اولیائے کرام کا کوئی کام شریعت مطہرہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ جو شریعت کے خلاف چلے وہ ولی ہو ہی نہیں سکتا۔

اولیاءاللہ کا اعزاز

اللہ قادر وکریم نے ارشاد فرمایا۔الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون "خبردار بیشک جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔اس آیت مقدسہ سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں۔اس لئے کہ خوف اس شخص کو ہوتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کوتاہی برتی ہو یا مالک اس سے ناراض ہو جبکہ اولیائے کرام تو وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جو فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کثرت نوافل سے رب تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب ان سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ ان کے دشمنوں سے ناراض ہوتا ہے اور صرف ناراض ہی نہیں ہوتا بلکہ اولیائے کرام کے دشمنوں سے اعلان جنگ فرماتا ہے۔رحمت دو عالم نور مجسم ﷺ فرماتے ہیں۔کم من ضعیف منضعف ذی طمرین لو اقسم علی اللہ لا برمعنھم البراء بن مالک۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے وہ لوگ جنہیں کمزور اور ضعیف سمجھا جاتا ہے ان کا لباس بھی پھٹا پرانا ہوتا ہے وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہوئے قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے۔براء بن مالک کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔یہ محبوب کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے جو کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔چنانچہ جناب براء کا مشرکین کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہوا تو کفار اہل ایمان پر دباؤ بڑھانے لگے احباب نے کہا کہ اے براء رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہوئے قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا ہے۔آپ قسم اٹھائیں آپ نے قسم اٹھائی کہ اے پروردگار تو انہیں مغلوب کیوں نہیں کر دیتا تو فوراً وہ مغلوب ہو گئے پھر سوس کی پل پر مقابلہ ہوا تو پھر بھی کفار مسلمانوں پر غالب ہوتے دکھائی دیئے۔احباب کی درخواست پر پھر آپ نے دعا کی اور عرض کیا اے رب العالمین مجھے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ملا دے ایسا ہی ہوا کفار مغلوب ٹھہرے اور جام شہادت نوش کر کے آپ کو وصال محبوب ﷺ بھی نصیب ہو گیا (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۷)۔اس کے علاوہ بخاری شریف میں مذکور ایک طویل حدیث حدیث قدسی کے آخر میں ہے۔وان سالنی لا عطیه کہ میرا ولی جب مجھ سے جو کچھ مانگتا ہے تو میں اسے خالی نہیں لوٹاتا بلکہ اسے ضرور بر ضرور عطا کرتا ہوں۔

☆ اولیائے کرام کے مقدس آستانوں پر حاضر ہونا اللہ کی رحمتوں اور بخششوں کا باعث ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے' پھر اس نے زمین والوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑے راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گذار) کا پتا بتایا گیا۔ وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے/ راہب نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو اس کو ایک عالم کے بارے میں بتایا گیا۔ اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا ہاں توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے۔ جاؤ فلاں جگہ پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ جگہ ہے وہ شخص روانہ ہو گیا بس جب وہ آدھے راستے میں پہنچا تو اس کو موت نے آ لیا اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا رحمت کے فرشتوں نے کہا۔ یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا پھر ان کے پاس آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ آیا انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم بنا لیا۔ اس نے کہا دونوں طرف کی زمین کی پیائش کر لو وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہوا اسی کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔ جب انہوں نے پیائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولی اللہ تو ایک طرف جوان کی چوکھٹ کا ارادہ کر کے نکلے اسے بھی بخش دیا جاتا ہے۔

﴿ متقی لوگوں کی دوستی فلاح دارین کا ذریعہ ﴾

دوستو! انسان کی تخلیق کا مقصد و مدعا اللہ کریم کی بندگی اور رضا کا حصول ہے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب انسان کا ہر کار حیات نیکی اور تقویٰ پر مبنی ہو۔ یہاں تک کہ انسان دوسروں سے تعلقات استوار کرے تو اس میں بھی مدعا اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہی ہو کیونکہ دوستی بھی وہی فائدہ مند ہو گی جو اس مقصد کے تحت پروان چڑھے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین "سب ہی (دنیاوی) دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیز گاروں کے (کہ ان کے باہمی محبت اس دن بھی قائم رہے گی)" (سورۃ الزخرف)۔

☆ عربی زبان میں خلۃ دو چیزوں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو کہا جاتا ہے۔ گویا وہ دوستی اور محبت جو دو دلوں کے درمیان یا دو افراد کے درمیان ہو' اس کو خلہ کہتے ہیں۔ اسی سے خلال ہے جس کا معنی

داڑھی میں انگلیاں مار کر ان کے درمیان فاصلے کو واضح کرنا ہے۔ اسی سے خلیل ہے کہ وہ دو اشخاص جن کے مابین باہمی محبت اور دوستی پائی جائے انہیں ایک دوسرے کا خلیل کہا جاتا ہے۔

او پر مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کے وہ سارے دوست جو ایک دوسرے سے محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مودّت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر باہمی اعتماد کرتے ہیں' جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ ایک دوسرے کے حقوق' محبت اور مودّت کو بھول جائیں گے۔ ہر ایک نفسا نفسی کے عالم میں مبتلا ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی پرواہ ہو گی کسی دوسرے کو توجہ تک نہیں دے رہا ہوگا۔

☆ جب انسان کسی دوسرے انسان کا خیال رکھے تو یہ دوستی ہوتی ہے اور جب وہ اسے بھول کر صرف اپنے حال و مفاد میں مگن رہے تو یہ دشمنی بن جاتی ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن اور عدو بن جائیں گے اور دشمن ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی کسی کا خیال رکھ سکے گا۔ الا المتقین کے استثنیٰ سے اللہ تعالیٰ نے برملا اعلان کر دیا کہ

- صرف ایک قسم کی دوستی قیامت کے دن بھی قائم رہے گی اور کبھی نہیں ٹوٹے گی۔ یہ دوستی اللہ والوں اور متقین بندوں کی دوستی ہے جو وہاں قیامت کے دن بھی کام آئے گی۔ اگر کوئی شخص یہ تصور اور اعتقاد رکھے کہ قیامت کے دن متقین اور پرہیزگار لوگوں کی دوستی بھی کام نہیں آئے گی بلکہ یہ دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی تو یہ قرآن کریم کا صریح انکار ہوگا کیونکہ پہلی آیت کریمہ میں قیامت کے دن دوستی کی اگرچہ مطلق نفی آئی ہے مگر اس سے متصل اگلی آیت میں استثناء کے ساتھ نفی آئی ہے۔ اب اگر دوسرے مقام کو نظر انداز کر کے پہلی آیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فیصلہ دیا جائے تو صریح ظلم ہو گا۔ جس سے گمراہی کے سوا کچھ نہیں پھیلے گا۔ لہذا ہمیں قرآن حکیم کے ہر مقام پر ایک وقت ہر مسئلے سے متعلقہ تمام آیات پر نظر رکھنی چاہئے' تب قرآن مجید کا صحیح طور پر حق ادا ہوگا اوپر ذکر کردہ قیامت کے دن دوستی اور شفاعت سے متعلقہ آیتوں میں پہلی آیت میں عموم اور اجمال ہے جبکہ دوسری آیت میں تخصیص اور تفصیل ہے۔

اس تفصیل کے بعد معترض یہ آیت کا مفہوم و مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن دنیاوی دوستی' پیسوں کی دوستی' مطلب کی دوستی' ذاتی صنعت کی دوستی' خونی دوستی اور رشتہ داری کوئی کام نہیں آئے گی اور دنیاوی تعلقات کے یہ سارے بت وہاں پاش پاش ہو جائیں گے بلکہ یہ ساری مفادات پر مبنی دوستیاں ٹوٹ کر دشمنی میں بدل جائیں گی۔ قیامت کے دن صرف وہ دوستیاں کام آئیں گی جو اللہ والوں' اللہ کے برگزیدہ بندوں اور متقین سے لگائی ہوں گی کیونکہ اللہ والوں سے دوستی نہ جاہ و منصب کے لئے' نہ دنیاوی حرص و لالچ کے لئے اور نہ ہی طاقت واقتدار کے لئے لگائی جاتی ہے بلکہ یہ دوستی صرف اور صرف اللہ کی خاطر کی جاتی ہے۔ اس میں اللہ کی نسبت کے سوا کوئی اور دھیان ہوتا ہی نہیں۔ لہذا جو دوستی کسی سے قائم ہی اللہ کے

لئے کی جاتی ہے اگر وہ بھی قیامت کے دن کام نہیں آئے گی تو اور کونسی دوستی کام آئے گی۔

اس بحث سے دو قسم کی دوستیاں متحقق ہو جاتی ہیں۔ ایک دنیا کی دوستی اور ایک آخرت کی دوستی' ایک مال و دولت کے لئے دوستی ہے اور ایک اللہ کے لئے دوستی ہے۔ دنیوی دوستی کے ثمرات تو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں جبکہ اخروی دوستی کے ثمرات آخرت میں ظاہر ہوں گے کیونکہ دنیوی دوستی جس مقصد کے لئے' جس مال اور مفاد کے لئے کی جاتی ہے وہ مقصد دنیا میں پورا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اخروی دوستی میں نہ جاہ و منصب ملتا ہے نہ مال و اقتدار بلکہ اس سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اگر یہ دوستی آخرت میں بھی کام نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ دنیوی دوستی آخرت میں اگرچہ کام نہ آئی دنیا میں اس کا ثمر تو مل جاتا ہے جبکہ اخروی دوستی نہ دنیا میں کام آئی اور نہ آخرت میں کام آئی تو دنیا داروں کی دوستی اللہ کے لئے لگائی گئی دوستی سے معاذ اللہ بہتر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ایسا ظلم کرنے سے ہر لحاظ سے پاک اور مبرا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالها '' جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کے لئے اس جیسی دس نیکیاں ہیں'' (سورۃ انعام)۔ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جو شخص اللہ کی خاطر اس دنیا میں ایک دوستی لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں قیامت کے دن اس کو دس دوستیوں کا اجر عطا فرمائے گا۔

ایک اشکال ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ خلت دوستی صرف بندے کی طرف سے ہوتی ہے یا اللہ قادر و کریم کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دوستی دونوں طرف سے ہوتی ہے جس طرح متقین اور نیک بندے اپنے معبود حقیقی سے دوستی اور محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ بھی اپنے مقربین خاص سے محبت اور دوستی رکھتا ہے۔ ارشاد ہے۔ واتخذ اللہ ابراهيم خليلا '' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا'' (سورۃ نساء)۔ یعنی اللہ کریم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان جو خلت پائی جاتی ہے وہ دونوں طرف سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ الا ان ابراهيم خليل اللہ وهو كذلك وانا حبيب اللہ والافخر '' بیشک حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اللہ کے دوست ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں مگر مجھے اس پر کوئی فخر نہیں'' (ترمذی شریف)۔

ولاخلۃ کے تحت اگر قیامت کے دن ساری دوستیاں ٹوٹیں گی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان دوستی کی کیا صورت بنے گی کیونکہ اللہ نے بھی یہ دوستی توڑ دی تو پھر اس کی لاج کون رکھے گا۔ وہ تمام آئمہ اور محدثین جنہوں نے حبیب اور خلیل میں فرق پر بحث کی ہے' انہوں نے لکھا ہے کہ خلیل وہ دوست ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ کو منانے کی فکر اور دھیان میں رہتا ہے جبکہ حبیب وہ دوست ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر وقت خوش رکھتا ہے۔ اس لئے مقام خلیل یہ ہے کہ وہ بندہ ہے۔ اے اللہ! مجھے اس عمل کی توفیق عطا کر جسے کروں تو تو راضی ہو جائے جبکہ مقام حبیب یہ ہے کہ اللہ خود کہے' محبوب تجھے اتنا دوں کہ تو راضی ہو جائے ارشاد ربانی ہے۔ ولسوف يعطيك ربك فترضى '' اے محبوب ﷺ تیرا رب تجھے عنقریب

اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا" (سورۃ ضحیٰ)۔

جب اللہ کریم خلیل کے مقام کی دوستی کی لاج رکھتا ہے تو پھر مقام حبیب کی دوستی کا معاملہ ہی اور ہوگا۔
ایک حدیث پاک میں رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔
"کوئی شخص اللہ کے لئے کسی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے راستے میں ایک فرشتہ بھیجے گا' جب وہ شخص فرشتے کے پاس پہنچے گا تو فرشتہ کہے گا کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ شخص کہے گا کہ اس گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے کا ارادہ ہے' فرشتہ کہے گا کیا تیری اس پر کوئی نعمت ہے جسے تو حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ کہے گا نہیں' میں تو صرف اللہ کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں' فرشتہ کہے گا میں اللہ کی طرف سے (یہ خوشخبری سنانے کے لئے) بھیجا ہوا فرشتہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا محبوب بنالیا کیونکہ تو نے اس شخص کو اللہ ہی کی خاطر اپنا محبوب بنالیا تھا" (مسلم شریف)۔

ہمیں چاہئے کہ ہم جس شخص سے بھی دوستی رکھیں وہ خالص اللہ اور اس کے دین کے لئے ہو۔ ہماری ہر دوستی اور تعلق کا مقصد صرف یہ ہو کہ ہم نے اس کے ذریعے دین حق کو غالب کرنے کی تگ و دو کرنی ہے۔
یوں نہ صرف دوسروں سے ہمارے تعلقات پختہ رہیں گے بلکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی۔
دوستی اور تعلق کے ضمن میں یہ سوچ اگر پختہ ہو جائے تو معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ مزید تفصیل ہماری کتاب "الحب للہ والبغض للہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ والوں کے ساتھ دوستی اور اس کے فوائد

رسول اللہ ﷺ انہ قال اوصی اللہ تعالیٰ الی موسی قال یاموسی اهل عملت لی عملا قط؟ قال الٰهی صلیت لك و صمت لك تصدقت لك و ذکرت لك فقال اللہ تعالیٰ یاموسیٰ ان الصلوۃ لك برهان والصوم لك جنة والصدقة لك ظل والذکر لك نور فای عمل عملت لی؟ فقال دلنی علی عمل هولك؟ قال یاموسی اهل والیت لی ولیا وهل عادیت لی عدوا؟ "جان کائنات ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی اور فرمایا اے موسیٰ کیا تو نے کبھی میرے لئے بھی کوئی عمل کیا ہے؟ عرض کی' اے میرے اللہ! میں نے تیرے لئے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' صدقہ دیا اور تیرا ذکر کیا۔ فرمایا' نمازیں تیرے لئے برہان و دلیل ہیں' روزے تیرے لئے ڈھال ہیں' صدقات و خیرات تیرے لئے سایہ ہیں اور ذکر تیرے لئے اجالا اور نور ہے (یعنی یہ تمام اعمال تیری اپنی ذات کے لئے ہیں' میرے لئے تیرا کونسا عمل ہے؟) عرض کی' یا اللہ! تو خود فرمادے' تیرے لئے کونسا عمل ہوتا ہے؟ فرمایا (صرف میرے لئے کسی سے دوستی کرنا اور میری ہی وجہ سے کسی سے دشمنی کرنا' ایسا عمل ہے جو صرف میرے لئے ہوتا ہے) تو کیا تو نے میرے لئے میرے کسی ولی سے دوستی کی اور میرے کسی دشمن کے ساتھ عداوت رکھی؟

شرح و تفصیل

☆ دوستی ایک خاص جذبے کا نام ہے جو انسان کے دل میں ایک خاص پس منظر میں پیدا ہوتا ہے' بعض حالات میں اس کے اندر بڑی شدت اور پختگی ہوتی ہے اور یہ سدا بہار شکل میں قائم ودائم رہتا ہے اور اس کی شدت اور تیزی میں کوئی کمی نہیں آتی۔

☆ بعض اوقات یہ جذبہ خاص حالات میں جنم لیتا ہے لیکن اس میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ایک وقت میں یہ پوری توانائی اور شدت کے ساتھ ابھرتا ہے۔پھر اچانک ماند پڑ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اس کی جگہ دشمنی اور عداوت لے لیتی ہے اور چاہت مکمل طور پر نفرت میں بدل جاتی ہے۔

☆ دوستی کے کم و بیش یا شدید اور کمزور ہونے کے خاص اسباب ہیں۔کسی دوستی کے پاس پردہ دنیاوی مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔خودغرض' مفاد پرست اور گھٹیا انسان' اس لئے کسی سے دوستی گانٹھتا اور اسے یار بناتا ہے تاکہ اس سے مال بٹورے' اس کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کرے یا اقتدار کے سنگھاس تک پہنچنے کے لئے اسے زینہ بنائے یا اسے اپنی فاسد خواہشات اور ہوا و ہوس کا نشانہ بنائے وغیرہ وغیرہ۔یہ فانی اور مادی اغراض ہیں' جب یہ پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں تو خودغرض انسان کے دل میں دوستی کو قائم رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔لہٰذا وہ اسے فوراً ختم کر دیتا ہے۔

☆ اس قسم کی دوستی یا خودغرضی' مفاد پرستی اور ہوا و ہوس کی پیداوار ہوتی ہے۔اسے دوستی کہنا ہی غلط ہے' یہ ایک قسم کا وقتی گٹھ جوڑ ہوتا ہے جو مقصد کے پورا ہونے تک قائم رہتا ہے پھر ہر کوئی اپنی اپنی راہ لیتا ہے۔

☆ اس کے برعکس ایک دوستی ایسی ہے جو کسی فانی اور فاسد مقصد' مکروفریب اور دنیاوی اغراض کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی بلکہ ہر قسم کے شروفساد' حرص وہوس اور دنیاوی و نفسانی آلائشوں سے پاک سدا بہار خوشبودار اور پائیدار ہوتی ہے۔وقت گذرنے کے ساتھ اس میں کوئی کمی نہیں آتی' بلکہ پوری قوت و توانائی اور شدت کے ساتھ وہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔یہ وہ محبت ہے جو کسی کے دل میں صرف اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا بندہ' پاکباز' خوش خصال' نیک اور پرہیزگار ہے اور اس کا باطن تقویٰ و طہارت سے آراستہ ہے۔چونکہ اس کے پیچھے کوئی مادی غرض اور نفسانی خواہش کارفرما نہیں ہوتی' اس لئے یہ محبت کبھی ماند نہیں پڑتی بلکہ بڑھتی ہی رہتی ہے اور جس سے یہ بے لوث محبت ہو وہ محبوب سے محبوب تر ہوتا جاتا ہے۔اسی عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے ہے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی اللہ والے سے محبت کرنا کتنا اہم اور پیارا عمل ہے۔

اہل اللہ سے دوستی کا فائدہ

اللہ والوں کے ساتھ دوستی عام انسان کے لئے بے حد فائدہ مند ہے۔ یہ ہر دور اور ہر زمانے میں نفع رساں ہے اور حشر یا مصائب و آلام سے چھٹکارا پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ مثالوں سے اس کی وضاحت بعد میں کریں گے پہلے ہم یہ بتا دیتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ والے اپنے اللہ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان کی جوانیاں' توانائیاں' اوقات سب اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی پاکیزہ زندگی کا کوئی لمحہ مولیٰ کی یاد کے بغیر گزرے۔ اس لئے وہ ذکر' نیاز اور مسلسل بندگی میں گم رہتے ہیں اور اطاعت و عبادت کے ذریعے اپنے پیار کا اظہار کرتے ہیں۔ پیار کرنے والے کو محبوب کی بنائی ہوئی ہر چیز ہی پیاری ہوتی ہے۔ وہ مصنوعات بنانے والے کی صنعت و ہنر کا حسن دیکھتے ہیں اس لئے مصنوعات کے ساتھ بھی پیار کرتے ہیں۔ ساری مخلوق اللہ کی پیدا کردہ اور اس کی بنائی ہوئی ہے۔ اس لئے جو اللہ والے ہیں وہ اس کے ساتھ بے حد و حساب پیار کرتے ہیں۔ اتنا پیار کہ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایک عام انسان کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ وہ دنیا میں ان کے ساتھ دوستی قائم کرے تاکہ ان کی صحبت' نگاہ کرم اور دعا سے اس دنیا میں بھی فیض یاب ہو اور آخرت میں ان کی شفاعت سے حصہ حاصل کرے۔ قرآن پاک نے ان کی دوستی کا فائدہ واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین "تمام دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے البتہ اہل تقویٰ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں"۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کی اس ہوشربا اور خوفناک گھڑی میں بھی ان کے اٹھتے ہوئے دریائے رحمت اور جذبہ شفقت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ وہ اپنے دوستوں کے لئے اسی طرح مہربان و شفیق ہوں گے جس طرح پہلے تھے اور اپنے پیارے رب کی مخلوق سمجھ کر پہلے کی طرح ان سے پیار کریں گے۔ دنیا میں مخلوق خدا پر ان کی رحمت و شفقت کا کیا عالم ہوتا ہے' اس کی چند حیرت انگیز اور نادر و نایاب مثالیں درج ذیل ہیں۔

عابد کی حیرت انگیز پیشکش

گزشتہ اقوام کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں۔ بنی اسرائیل کا ایک جواں ہمت عابد چار سو سال تک عبادت میں مصروف رہا۔ عبادت و ریاضت اور مسلسل ذکر و فکر نے اسے ممتاز مقام عطا کر دیا اور سب کو منظور نظر ہو گیا۔ وہ ایک پہاڑی علاقے میں سکونت پذیر تھا۔ آبادی تک پہنچنے اور آنے جانے کے لئے ایک بلند و بالا پہاڑ کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ لوگوں کو ادھر سے آتے جاتے وقت بڑی دقت ہوتی اور دشوار گزار راہ طے کرنا پڑتی تھی۔ اللہ والے طبعی طور پر بڑے نرم مزاج اور شفقت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں مخلوق خدا کے ساتھ کچھ زیادہ ہی پیار ہوتا ہے۔ وہ انہیں تکلیف و اذیت میں دیکھ کر بے قرار ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تکلیف زائل کر دیں۔ اس عابد کے دل میں بھی یہی خیال پیدا ہوا اور اس نے عوام کی

آمد و رفت کی راہ میں حائل اس پہاڑ کو دیکھ کر سوچا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو مسافروں کو آنے جانے میں کتنی سہولت ہوتی۔ اس سے نہ رہا گیا اور ایک روز اس نے اظہار خیال کر ہی دیا کہ اے اللہ! اگر یہ پہاڑ پیدا نہ کرتا تو کتنا بہتر ہوتا۔

اس وقت کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ عابد سے کہو کہ ہم حکیم و خبیر ہیں' اپنی خدائی کے رموز کو تجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اس میں مداخلت بے ادبی ہے اور تو نے اس کا ارتکاب کر لیا۔ اس لئے تیرا نام اہل سعادت کی فہرست سے خارج کر کے اہل شقاوت کی فہرست میں لکھ دیا ہے۔ نبی نے اس عابد تک یہ پیغام پہنچا دیا۔ وہ یہ پیغام سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور حمد و شکر کے ترانے گانے لگا۔ نبی کو حکم ہوا' اسے کہو' نادان! یہ مقام شکر نہیں ہے' مقام حیرت ہے اور تو ہے کہ مسرت سے جھوم رہا ہے اور شکر کے سجدے کر رہا ہے۔ عابد نے جواب دیا' میرا یہ اظہار مسرت اس لئے نہیں ہے کہ شقی اور بد بخت لوگوں کے زمرے میں داخل کر دیا گیا ہوں' بلکہ اس لئے ہے کہ اپنے رب کی نظر میں تو ہوں۔ اس کے کسی دفتر میں میرا نام لکھا ہوا ہے' خواہ وہ اہل شقاوت ہی کا دفتر ہے۔ پھر اس نے کہا' اے اللہ کے پیارے نبی! میری ایک معمولی سی خواہش ہے' اپنے رب سے کہو' جبکہ تو نے میرا نام بد بختوں کی فہرست میں لکھ دیا ہے اور مجھے دوزخ میں جھونکنے کا ارادہ کر لیا ہے تو میری ایک آرزو ہے وہ پوری کر دے۔ میرے جسم کو اتنا بڑا کر دے کہ سارا دوزخ میرے ہی جسم سے بھر جائے تاکہ کسی اور کے دوزخ میں جانے کی گنجائش نہ رہے' میں چاہتا ہوں سب لوگ جنت میں چلے جائیں۔ اللہ کے نبی کو حکم ہوا اسے کہو وہ تیری شان تسلیم و رضا اور مقام ایثار و مروت کو ہی ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم نازل کیا تھا۔ تیری رسوائی اور تذلیل مقصود نہ تھی جبکہ تو نے ایثار و شفقت کی اعلیٰ مثال قائم کر دی ہے اور مروت و ہمدردی کی رفعتوں کو چھو لیا ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ نہ صرف تجھے بخش دیا بلکہ جس کی تو شفاعت کرے گا اسے بھی بخش دیں گے۔

صوفیائے کرام کا ایثار

حضرت ابوالحسن نوری' حضرت ابو حمزہ اور حضرت رقام رحمتہ اللہ علیہم صوفیائے کرام کی صف میں اہم مقام رکھتے تھے اور پورے حلقے میں انہیں بے حد مقبولیت حاصل تھی' ایک طرح سے وہ تمام صوفیاء کرام کے رہنما و مقتداء اور مرکز عقیدت تھے۔ خلیفہ وقت کے غلام' الخلیل کو اسی وجہ سے ان تینوں کا وجود بہت کھٹکتا تھا۔ وہ انہیں کسی بہانے ٹھکانے لگانا چاہتا تھا اور پھر اسے ایک دفعہ یہ موقعہ مل بھی گیا اور تینوں کو گرفتار کر کے خلیفہ کے حضور پیش کر دیا اور ساتھ ہی حاشیہ آرائی کی کہ یہ لوگ زندیق و بے دین ہیں' ان کے قتل سے دین میں پیدا ہونے والا فتنہ دب سکتا ہے۔ اس لئے ان کا قتل وقت کی ضرورت اور دین کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ ان کے قاتل کو بہت اجر و ثواب ملے گا۔

خلیفہ نے اپنے غلام الخلیل کی باتوں میں آ کر جلاد کو ان کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔ جلاد نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور تلوار بے نیام کر لی۔ سب سے پہلے وہ رقام کی طرف بڑھا تاکہ ان کی گردن کو

نشانہ بنا کر وار کرے۔ اچانک پلک جھپکنے سے بھی پہلے ابوالحسن نوری رقام کو بچانے کے لئے ان کی جگہ پر آ گئے۔ جلاد نے تنبیہ کی' اے جوان مرد یہ تلوار ہے' کوئی بچوں کا کھلونا نہیں' اسے کھیل مت سمجھو' یہ زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے' اس لئے جلد بازی سے کام نہ لو اور اپنی باری کا انتظار کرو۔

حضرت نوری نے جواب دیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ تمہاری سوچ ہے لیکن میرا مذہب ایثار ہے۔ یہ دنیا خدمت و عمل کا گھر ہے' جس کی جزاء آخرت میں ملتی ہے اور کامیابی کی صورت میں اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں رقام کی خدمت کروں اور ان کے لئے اپنی زندگی کے چند سانسوں کا ایثار کروں۔ یہ صورت حال تمام دیکھنے والوں کے لئے بڑی ہی حیران کن اور تعجب انگیز تھی۔ وہ اس کی گہرائی' یکتائی اور خلوص سے متاثر ہوئے اور سب نے اس ایثار کی داد دی' خلیفہ نے دلچسپی لیتے ہوئے ان کا معاملہ چیف جسٹس کے سپرد کر دیا۔ حکم دیا کہ ان کے حالات و حقائق اور واردات و عقائد کی تحقیق کر کے جلد رپورٹ پیش کریں۔

چیف جسٹس نے علیحدگی میں ان کے ساتھ ایک نشست فرمائی' گفتگو کے دوران اس پر کھلا کہ یہ لوگ تو علم و فضل کا پیکر اور حقائق و معارف کا بحر بے کراں ہیں۔ ان کے سینے علوم و اسرار کا چھپا ہوا خزانہ اور ان کے وجود شریعت و طریقت کا سنگم ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسے اپنی ذات حقیر نظر آنے لگی۔ اس نے خلیفہ کو لکھا اگر یہ لوگ موحد اور مسلمان نہیں تو پھر دنیا کے خطے پر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ان کا معاملہ جتنا گہرا' حقیقت پر مبنی اور صدق و صفاء سے معمور ہے اتنا کسی کا بھی نہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس لائق ہیں کہ انہیں باعزت طریقے سے چھوڑ دیا جائے اور ان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ ملک و ملت کے لئے ان کا وجود رحمت و برکت کا باعث ہے اور حکومت و عوام کو ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا وجود دین و ملت کے لئے خطرناک ہے وہ خود خطرناک اور قوم و ملت کے غدار ہیں' ان سے بچنا ضروری ہے۔

ابوالحسن نوری کی پیشکش

حضرت ابوالحسن نوری کو نوری اس لئے کہتے ہیں کہ صفائے باطن کے باعث ان کے جسم سے نور نکلتا محسوس ہوتا تھا اور منور دل کی بدولت وہ دلوں کا حال بتا دیا کرتے تھے۔ ایسے پاک دل اور روشن ضمیر لوگوں کو مخلوق خدا کے ساتھ جو پیار ہوتا ہے وہ انہیں بھی تھا' بڑے درد و سوز کے ساتھ ان کے لئے دعا و مناجات میں مصروف رہتے تھے اور خاص اوقات اور خلوتوں میں انہیں نہیں بھولتے تھے۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی۔
اس لئے ابوجعفر خلدی کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ معلوم کریں وہ مخلوق خدا کے لئے کیا دعا کرتے ہیں۔
وہ ایک ایسی جگہ کھڑے ہو گئے جہاں سے حضرت ابوالحسن نوری کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ انہوں نے سنا حضرت نوری رقت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ''یا اللہ! تو' تو اپنی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے اسے کیسے دوزخ میں ڈالے گا اور اگر ایسا ہونا ہی ہے تو مجھے بے حد و حساب' طویل و عریض اور موٹا تازہ بنا دے'

اس حد تک کہ میں سارے دوزخ کو بھر دوں اور باقی تمام مخلوق کو بخش دے"۔
عجیب وغریب قسم کی دعا تھی' جعفر خلدی کہتے ہیں' میں سو گیا تو خواب میں کسی نے کہا نوری کو کہہ دو ہماری مخلوق کے لئے جو تم ایثار کرنا چاہتے ہو اور اس کی نجات وفلاح کے آرزو مند ہو اس کی بدولت ہم نے جنہیں بخش دیا اور زمرۂ خاصاں میں شامل کر لیا کیونکہ ایثار وعمل حسین ہے جو مقام حسین عطا کر دیتا ہے۔ آخرت میں بھی ان کی یہ محبت اس طرح قائم رہے گی اور اہل محبت کو فائدہ دے گی۔اس لئے دنیا میں ان کے ساتھ دوستی بہت بڑی سعادت اور نیک بختی کی علامت ہے۔خوش قسمت ہے وہ جو انہیں دوست بناتا اور ان کی دوستی اور محبت کے سائے اور جھنڈے تلے آتا ہے۔

صحبت کے نیک و بد اثرات

محترم قارئین کرام! فطرت انسانی کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرلے۔ بہ الفاظ دیگر نیک انسانوں کا میلان نیک انسانوں کی طرف اور گناہگار افراد اپنے ہی جیسے گنہگار انسانوں کی طرف رغبت کریں یا مانوس ہوں معلوم یہ ہوا کہ محبت کی اصل ہم جنس ہونے پر ہے۔خواہ اس کے اوصاف عام ہوں یا خاص' لہذا جب انسان کسی کی صحبت میں بیٹھنا چاہے اور جس کی طرف وہ مائل ہو اور جس کی طرف اس کا رجحان ہو اس کے حالات کو شریعت کے میزان میں تولے۔اگر حالات باعتبار شریعت درست نظر آئیں تو خواستگار صحبت اپنے آپ کو مبارکباد دے کہ اس کی حالت بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آئینہ ضمیر کو اتنا روشن بنایا ہے کہ اس کے بھائی کے آئینے میں اس کو اپنی نیکی کا جمال نظر آتا ہے۔یہ امر ملحوظ رہے کہ اپنے جنس کی طرف عام رجحان ایک طبعی رجحان ہے لیکن حقیقتاً اس طریقہ کا میلان بعد میں حسب احوال ہوتا ہے۔اس کے اثرات سے نفس کو اس قدر سکون حاصل ہوتا ہے کہ اس میلان کے فوائد اس طبعی رجحان پر غالب آجاتے ہیں اور پھر یہ طبعی رجحان ایک ہو جاتا ہے اس وقت ان دونوں ہم نشینوں کو نشاط خاطر اور جبلی سکون میسر آتا ہے کہ ان دونوں کی مخلصانہ صحبت اور محبت الٰہی میں سوائے علمائے زہاد کے اور کوئی فرق محسوس نہیں کرسکتا۔لہذا ان امور میں اعتدال اور توازن رکھنا ضروری ہے۔ایک بزرگ کا قول ہے''تمہیں برائی اسی لئے حاصل ہوتی ہے کہ جس کو تم جانتے ہو'' یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی ایک جماعت نے ہم نشینی کو ناپسند کیا ہے اور خلوت و گوشہ نشینی کو پسند کیا ہے۔حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالک دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا۔''بلاشبہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال بھیڑیں اور بکریاں ہوں گی اور وہ انہیں لے کر پہاڑوں' گھاٹیوں اور نشیبی علاقوں میں پھرے گا اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے بھاگے گا''۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے فرمایا۔''میں تم کو چھوڑتا ہوں اور ان چیزوں سے الگ ہوتا ہوں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں''۔اسی طرح انہوں نے عزلت اور کنارہ کشی کے ذریعہ قوم پر غالب آنے کی سعی فرمائی۔کہا جاتا ہے

کہ عزلت اور گوشہ نشینی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عزلت فرض؛ (۲) عزلت فضیلت۔ عزلت فرض تو یہ ہے کہ اہل شر سے بچا جائے اور عزلت فضیلت یہ ہے کہ فضول باتوں اور فضول لوگوں سے الگ تھلگ رہا جائے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خلوت عزلت سے مختلف ہے کیونکہ خلوت غیروں سے ہوتی ہے اور عزلت اپنے نفس سے ہے یعنی نفس کی خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے الگ ہونے کا نام عزلت ہے۔ اس اعتبار سے خلوت تو عام ہے لیکن عزلت کم یاب ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کنج عزلت میں مثال آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لئے

کہا جاتا ہے کہ سلامتی کے دس حصے ہیں۔ نو حصے تو خاموشی میں ہیں اور ایک حصہ عزلت میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلوت اصل اور بنیاد ہے اور میل جول ایک عارضی چیز ہے۔ بس اصل کو پکڑنا چاہئے اور ضرورت کے بقدر میل جول رکھنا چاہئے اور ضرورت کے وقت بعض لوگوں سے اختلاط و ارتباط پیدا کیا جائے اور صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے کیونکہ اس طرح صحبت کے بہت سے خطرات ہیں۔ ان سے محفوظ رہنے کے لئے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ اختلاط اور صحبت سے بچنے کے لئے حاکم کائنات ﷺ کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ''محبوب کبریا ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جب کسی کی دینداری محفوظ نہ رہے گی بجز اس کے کہ کوئی شخص اپنے دین کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی جانب اور ایک بلند پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی طرف لومڑی کی طرح بھاگے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کب ہوگا؟ رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب گناہوں کے سوا روزی اور کسی طرح حاصل نہ ہوگی۔ ایسا زمانہ آ جائے تو اس وقت مجرد رہنا حلال ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے تو ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے پھر یہ کیسے ہوگا؟ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں انسان کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں سے ہوگی۔ اگر اس کے والدین نہیں ہوں گے تو اس کی ہلاکت بیوی اور اولاد کے ہاتھوں سے ہوگی۔ اگر اس کے بیوی بچے نہ ہوں گے تو قرابت داروں کے ہاتھ سے ہلاکت ہوگی۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ کس طرح ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس کو تنگی معاش پر شرمندہ کریں گے تو پھر وہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کرے گا یہاں تک کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ (ماخوذ از عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)۔

☆ بزرگان سلف کی ایک جماعت نے صحبت و اخوت فی اللہ کو پسند کیا ہے' ان کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اہل ایمان کے درمیان اخوت پیدا کی تو اس کو اپنا احسان بتایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے''۔ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری اور

مومنوں کی مدد کی اور ان کے دلوں کو ملا دیا۔ اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر ڈالتے تو تم ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان یہ الفت پیدا کی"۔

پس اللہ کے محبوب بندے اللہ کے واسطے انسانوں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ "اے داؤد (علیہ السلام) تم عزلت نشین کیوں ہو' انہوں نے کہا کہ بار الہا میں نے تیری خاطر مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی"۔ "اے داؤد علیہ السلام تم بیدار اور ہوشیار ہو جاؤ اور اپنے دوست تلاش کرو' جو دوست میری رضا کا خواہاں نہ ہو اس کو چھوڑ دو کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور وہ تمہارے دل کو پتھر کی طرح سخت بنا دے گا اور مجھ سے تم کو دور کر دے گا"۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں چنانچہ ایک مومن ایسا محبت کرنے والا ہے جس سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں ایک نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس نے تنہائی اور عزلت اختیار کی اس سے یہ خاصیت جاتی رہتی ہے اور دوسروں میں باقی رہتی ہے کہ خلوت نشین نہ دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے (یعنی اس حدیث شریف کو عزلت نشینی کے خلاف بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے) بلکہ محبوب کریم ﷺ اس وصف میں کامل ترین تھے۔ سب سے زیادہ حصہ رحمت دو جہاں ﷺ کو ملا تھا۔ انبیاء علیہم السلام میں جو حضرات زیادہ محبت کرنے والے تھے ان کی پیروی کرنے والے بھی زیادہ تھے۔ اسی لئے حاکم کائنات ﷺ کی پیروی اور اتباع کرنے والے بھی سب سے زیادہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کے اس خلق حسنہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ "اگر آپ ان پر سخت گیر ہوتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے" (پارہ ۴ سورۃ آل عمران)۔ باایں ہمہ اس عالمگیر جذبہ محبت کے باوصف آپ نے عزلت گزینی کو پسند فرمایا۔ اس لئے جس ہستی میں یہ وصف وافر اور مستحکم ہو گیا اسی قدر ابتدائے حال میں عزلت گزینی کو پسند کرے گا چنانچہ اسی بنا پر آپ کی ابتدا میں خلوت نشینی پسند تھی اور آپ نے غار حرا میں خلوت گزین ہو کر بہت سی راتیں عبادت میں بسر فرمائیں۔ اس سے ثابت ہے کہ عزلت نشینی محبت کے جذبہ کو فنا نہیں کرتی۔ پروردگار عالم اپنی شان کبریائی کے طفیل تمام مومنین و مومنات کو اپنی اور اپنے محبوب جان رحمت ﷺ اور جماعت صادقین کی سچی محبت سے سرفراز فرمائے اور ہم سب آپس میں اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی خوشنودی کے لئے محبت کریں۔

آداب محبت را ہر دل نہ شود قائل
در نیست بہ ہر دریا زر نیست بہ ہر کانے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یوں عشق محبوب ﷺ مرا دم ساز ہوا ہے
لگتا ہے کہ اب عمر کا آغاز ہوا ہے

چیف آرگنائزر بزم عشاق

حضرت علامہ حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی کی عالمانہ، عارفانہ، عاشقانہ چند تحریریں

☆	وسیلہ محبوب ﷺ	☆	ادب و تعظیم محبوب ﷺ
☆	گریہ محبوب ﷺ	☆	نور الہدیٰ ﷺ
☆	عشق خیر الوری ﷺ	☆	عجب چیز ہے لذت آشنائی
☆	اطاعت محبوب ﷺ	☆	شمس الضحیٰ ﷺ
☆	شان غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ	☆	صاحب الجود والکرم ﷺ
☆	راحت دو جہاں ﷺ	☆	اسلام میں دل جوئی کا مقام
☆	لفظ ولی کا معنی و مفہوم	☆	اسلام میں دل شکنی جائز نہیں
☆	عقیدت کے پھول	☆	کیا وسیلہ سے مانگنا جائز ہے
☆	آئینہ جمال کبریاء ﷺ	☆	وسیلتنا فی الدارین ﷺ
☆	بنا کے مصور نے توڑا قلم	☆	جب بھی مانگو وسیلے سے مانگو
☆	محبت اور علامات محبت	☆	کون کہتا ہے وسیلہ سے مانگنا جائز نہیں
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد	☆	وبالوالدین احسانا
☆	عشق است امام من	☆	آنچہ خوباں ہمہ دارند
☆	رحمت دو جہاں ﷺ	☆	اہل ایمان سلام کہتے ہیں؟
☆	پیکر حسن و جمال ﷺ	☆	اسمائے محبوب ﷺ

☆	فضائل رمضان وقرآن مجید	☆	انما المؤمنون اخوه
☆	روزہ کے طبی فوائد	☆	خیر کم من تعلم القرآن وعلمه
☆	فضیلت علم اور صاحب علم	☆	محبت الٰہی کے ثمرات
☆	قرآن مجید ایک نعت مسلسل ہے	☆	نور بشر کی وضاحت
☆	ہر گل، ہر شجر میں محمد ﷺ کا نور	☆	میرے مرشد لجپال
☆	عظمت مصطفیٰ ﷺ	☆	خطبات زماں (1 تا 12)
☆	امتی تیری قسمت پہ لاکھوں سلام	☆	مقالات زماں (1 تا 10)
☆	حقوق مصطفیٰ ﷺ	☆	مقالات عشق رسول ﷺ
☆	ورفعنالك ذكرك	☆	مقالات سیرت محبوب ﷺ
☆	سلطان دو جہاں ﷺ	☆	مقالات صورت محبوب ﷺ
☆	نسبت محبوب ﷺ	☆	محبت کی لازوال داستاں
☆	جان ایماں ﷺ	☆	مساوات محبوب ﷺ
☆	روح ایماں ﷺ	☆	شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
☆	مسلمانوں کے حقوق		تم سے کیا محبت ہوگئی
☆	افضل الخلق ﷺ		جیسے میرے محبوب ہیں ایسا نہیں کوئی
☆	احسن الخلق ﷺ	☆	کھچتی ہے کھال کٹتی ہے گردن
☆	اول الخلق ﷺ		عشق ہے تماشہ نہیں ہے
☆	پیکر نور ﷺ	☆	صبر حسین بھی ہے عشق
☆	تذکرہ حسن محبوب ﷺ		صدق خلیل بھی ہے عشق
☆	اسلام میں دوستی کا تصور	☆	دن تو تیرے ہی تصور میں گزر جاتا ہے
☆	علم کی فضیلت واہمیت قرآن و	☆	عارفانہ تقریریں

	حدیث کی روشنی میں	☆	پیام محبت
☆	اخلاق سے کام لو گر دل جیتنے ہیں	☆	وہ مصور کیسا ہوگا؟
☆	نظام مصطفیٰ ﷺ ہی میں امن و	☆	اہل دل
	سکوں ہے	☆	صحیفہ عشق
☆	جنت کے مالک	☆	عقل و عشق
☆	جہنم کا ایندھن	☆	عشق اور اہل عشق
☆	قلب سلیم	☆	ذوق زماں
☆	آداب محبت	☆	خیال زماں
☆	اسلاف کا جذبہ ایثار	☆	باب عشق
☆	اسلاف کا شوق علم	☆	داستان عشق
☆	اسلاف کا اخلاق	☆	شمع اور پروانے
☆	اسلاف کا عشق	☆	فضائل و مسائل نماز
☆	حقیقت عظمت	☆	نماز کے طبی فوائد
☆	حقیقت عشق (۱ تا ۴)	☆	نماز کے روحانی فوائد
☆	حقیقت انساں	☆	فضائل قرآن مجید
☆	عشق کی باتیں	☆	سوز محبت
☆	دیوان عشق	☆	اعزاز محبت
☆	بخشش کے بہانے	☆	حقیقی محبت
☆	عاشقانہ تقریریں	☆	حلاوت ایمان
☆	عالمانہ تقریریں	☆	حقیقت ایمان
☆	درس محبت	☆	دعوت فکر

☆	بیان عشق و محبت	☆	جنت اور اہل جنت
☆	مدارج عشق و محبت	☆	احترام سادات
☆	کرامات اولیاء	☆	دنیا میں جنت
☆	محبت و محبوبیت		میری پسند
☆	ماں کی عظمت	☆	روحانی حکایات
☆	محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے	☆	،گلدستہ حکایات
☆	علماء کا شرعی مقام اور معاشرتی حیثیت	☆	لو میرج کی شرعی حیثیت
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عشق	☆	صوفیاء اور عشق
☆	علماء اور عشق	☆	شعراء اور عشق
☆	خواص اور عشق	☆	عوام اور عشق
☆	حلاوت ایمان	☆	سلطان دو جہاں ﷺ
☆	اعزازِ محبت	☆	مدارجِ اہل علم
☆	عشق حقیقی و مجازی	☆	راہِ رسمِ عشق و محبت
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ ادب و محبت	☆	حسین محبوب ﷺ کا حسین تذکرہ
☆	تاجدار عشق	☆	زلفوں کے اسیر
☆	تجھ سا حسین کوئی نہیں	☆	جان کائنات ﷺ
☆	باعث تسکینِ دل و جان ﷺ	☆	عامل اور عملیات
☆	حُسن ایماں	☆	معجزات انبیاء علیہم السلام
☆	زندگی آمد برائے بندگی	☆	میرے محسن

مصیبت اور وبا آنے سے پہلے اور بعد میں کی جانے والی دعائیں

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص یہ دعا شام کو تین مرتبہ پڑھے گا تو اسے صبح تک اچانک کوئی مصیبت نہ پہنچے گی

اور جو شخص تین مرتبہ صبح کے وقت اسے پڑھے تو اسے شام تک اچانک کوئی مصیبت نہ پہنچے گی''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

''اللہ تعالیٰ کے نام سے، جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے''۔ (ابوداؤد:5088)

اللہ تعالیٰ سے صبح شام عافیت کی دعا کرنا

اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ

فِيْ بَصَرِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ

وَالْفَقْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ○

''اے اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت دے۔ اے اللہ! مجھے میرے کانوں میں عافیت دے۔ اے اللہ! مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اے اللہ! میں کفر اور تنگ دستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں''۔ (ابوداؤد:5090)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دُعا سکھائی

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ

وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَمِنْ سَيِّءِ الْأَسْقَامِ ○

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں برص، دیوانگی، کوڑھ اور تمام بُری بیماریوں سے''۔ (ابوداؤد:1554)

''جو شخص کسی شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھے پھر کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ

وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا ○

تو اسے یہ بلا نہ پہنچے گی'' (سنن ترمذی:3432)